تذکرہ

علمائے پنجاب

(۱۳۰۱ھ ۔۔ ۱۴۰۰ھ)

سیّد غلام حیدر علی شاہ جلال پوری

سیّد غلام حیدر علی شاہ بن سیّد جعہ شاہ ۳ر صفر ۱۲۵۵ھ/۲۶ر اپریل ۱۸۳۹ء کو جلالپور ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ وہ مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ (م ۷۸۵ھ) کی اولاد میں سے تھے۔

سیّد غلام حیدر علی شاہؒ نے قرآن مجید میاں محمد اعظم تجا نپوری سے پڑھنا شروع کیا اور تکمیل اپنے چچا سیّد امام شاہ سے کی۔ میاں عبداللہ چکوری سے فارسی اور اُردو کی درسی کتابیں پڑھیں۔ درسِ نظامی کی بعض کتابیں پن دان کے مقام پر قاضی محمد کامل سے پڑھیں۔ یہیں اپنے دَور کے بلند پایہ عالم متقی غلام محی الدینؒ سے استفادہ کیا۔ اور کنزالدقائق کا درس لیا۔ اس کے بعد کسی دوسرے عالم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا۔

سیّد غلام حیدر علی شاہ کی عمر سترہ برس تھی کہ اُن کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ بیعتِ طریقت کے لیے خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے مرید اور خلیفہ سیّد علم شاہ کی خدمت میں میران پور گئے اور بیعت کی خواہش ظاہر کی۔ وہ انہیں اپنے مرشد کے پاس سیال شریف لے گئے۔ ۱۰ر رجب ۱۲۷۱ھ/۲۶ر مارچ ۱۸۵۵ء کو سیّد غلام حیدر شاہ نے خواجہ شمس الدین کے ہاتھ پر سلسلۂ چشتیہ میں بیعت کی۔ اس کے بعد عبادت و ریاضت میں مشغول رہے۔ اس عرصے میں اُنہوں نے اپنے مرشد سے خواجہ کلیم اللہ جہان آبادی (م ۱۱۴۲ھ) کی تالیفات کشکول اور مرقع کا درس لیا۔ کچھ عرصہ بعد خلافت اور اجازتِ بیعت سے سرفراز ہوئے۔

سیّد غلام حیدر علی شاہ نے جلالپور میں سلسلۂ رشد و ہدایت شروع کیا اور

دُور و نزدیک کے ہزاروں افراد نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی۔ موصوف ہردلعزیز بزرگ
تھے۔ انہوں نے جلالپور میں ایک خانقاہ قائم کی جس میں فقرا اور زائرین کے لیے
لنگر خانہ قائم کیا اور ایک دینی مدرسے کی بنیاد رکھی۔

بہتر سال کی عمر میں ۲۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۶ھ / ۲۸ جولائی ۱۹۰۸ء کو واصلِ بحق ہوئے
اور جلالپور میں مدفون ہوئے۔ علما و شعراء نے کئی مرثیے کہے۔ علامہ اقبال نے
حسبِ ذیل قطعۂ تاریخ کہا:

ہر کہ بر خاکِ مزارِ پیر حیدر شاہ رفت
تربتِ او را ایمن جلوہ ہائے طور گفت
ہاتف از گردوں رسید و خاکِ او را بوسہ داد
گفتمش سالِ وفاتِ او، بگو "مغفور" گشت [1]

۱۳۲۶ھ

سید غلام حیدر علی شاہ مرحوم کے حسبِ ذیل چار صاحبزادے تھے:

۱۔ صاحبزادہ سید بدیع الدین شاہ (م ۱۲۹۵ھ)
۲۔ سید قائم الدین شاہ (م ۱۳۱۲ھ)
۳۔ سید محمد رسول شاہ۔ صغر سنی میں وفات پائی۔
۴۔ سید محمد مظفر علی شاہ (م ۱۳۳۵ھ) ۔ جانشین ہوئے تھے۔

سید غلام حیدر علی شاہ مرحوم سے کوئی تصنیف یادگار نہیں۔ اُن کے ملفوظات کا
ایک مجموعہ صوفی نور عالمؒ نے "ضیاء القلوب فی نفحات المحبوب" (فارسی) کے نام سے
مرتب کیا تھا جو ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹-۱۰ء میں سادھورہ سے طبع ہوا تھا۔ اس کے علاوہ
ملک محمد الدین نے "ذکرِ حبیب" [1] میں اُن کے احوال و ملفوظات یکجا کیے ہیں۔

[1] ذکرِ حبیب ص ۱۱۱

غلام دستگیر قصوری

مولانا غلام دستگیر ہاشمی قصوری بن مولانا حسن بخش اُس خانوادۂ علم و دانش کے
فرزند تھے جس میں مولانا غلام محی الدین قصوری پیدا ہوئے۔ مولانا غلام دستگیر محلہ چلی بیبیاں
لاہور میں پیدا ہوئے۔ سنِ شعور کو پہنچے تو بغرضِ تعلیم اپنے ماموں مولانا غلام محی الدین
قصوری کے پاس پہنچے۔ اُن سے علومِ متداولہ کی تحصیل کی اور سلسلۂ نقشبندیہ میں
بیعت ہوئے۔ مولانا غلام محی الدین سے اُن کے گوناگوں رشتے تھے۔ اُن
کے خواہر زادہ، داماد، شاگردِ رشید، مُریدِ باصفا اور خلیفہ تھے۔ مولانا غلام دستگیر
نے اپنے ماموں زاد بھائی مولانا عبدالرسول قصوری سے بھی دینی استفادہ
کیا ہے۔

مولانا غلام دستگیر نے تمام عمر تبلیغ و تلقینِ حق میں گزاری۔ انجمن حمایتِ اسلام
لاہور کے شعبۂ تبلیغ و اشاعت سے بھی وابستہ رہے۔ انجمن کے لیے بعض کتابیں
تالیف کیں جن کی آمدنی انجمن کے فنڈ میں جمع ہوتی تھی۔

مولانا قصوری بلند پایہ مصنف تھے۔ اُنہوں نے اپنی اکثر تالیفات شائع
کر کے مفت تقسیم کیں۔ کتابوں کی اشاعت کے لیے مسلمان والیانِ ریاست اور مخیّر لوگوں
سے مالی تعاون حاصل کرتے تھے۔ اس مقصد کے لیے رامپور، مالیر کوٹلہ، دہلی اور پنجاب
کے مختلف شہروں کے سفر کیے۔

مولانا قصوری مناظرانہ ذوق رکھتے تھے۔ شوال ۱۳۰۲ھ میں مولانا خلیل احمد انبیٹھوی
(م ۱۳۴۶ھ) مؤلف "براہینِ قاطعہ" سے بہاولپور میں مناظرہ کیا۔[1] ان کی اکثر تالیفات

[1] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو "تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل" بتذکرۃ الخلیل ص ۱۲۲-۱۳۹

مناظرانہ رنگ کی جھلک موجود ہے۔

مولانا غلام دستگیر قصوری کی مندرجہ ذیل تالیفات معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ عمدۃ البیان فی اعلان مناقب النعمان (مطبوعہ ۱۲۸۵ھ)
اہلِ حدیث عالم میاں سید نذیر حسین دہلوی (م ۱۳۲۰ھ) کی تالیف "معیار الحق" کے جواب میں ہے۔ پہلے فارسی اور بعد میں اُردو میں طبع ہوئی۔

۲۔ تحفۂ دستگیریہ بجواب اثنا عشریہ (مطبوعہ ۱۲۸۵ھ)
مولانا غلام العلی قصوری کے اعتراضات کے جواب میں ہے۔

۳۔ تحقیق صلوٰۃ الجمعہ (مطبوعہ ۱۲۸۸ھ)

۴۔ تحزینِ عقائد نوری بجواب نغمہ طنبوری (مطبوعہ ۱۲۹۴ھ)
پادری عماد الدین کے رسالہ "نغمہ طنبوری" کا جواب ہے۔

۵۔ ہدیۃ الشیعتین (مطبوعہ ۱۲۹۵ھ)
شیعہ اور خوارج کے نظریات کا رد ہے۔ پہلے فارسی اور بعد میں اُردو میں شائع ہوئی۔

۶۔ توضیح دلائل و تصریح ابحاث فرید کوٹ (مطبوعہ ۱۳۰۰ھ)
ریاست فرید کوٹ کے راجہ نے احناف اور اہلِ حدیث علماء کے درمیان کئی مباحثے کرائے۔ مولانا نے ان مباحثوں کو یکجا کیا اور آخر میں مہاراجہ فرید کوٹ کا فیصلہ نقل کیا ہے۔

۷۔ عروۃ المقلدین بالہام القوی المبین (مطبوعہ ۱۳۰۰ھ)
تقلیدِ ائمہ کی تائید میں یہ کتاب لکھی گئی ہے۔

۸۔ ظفر المقلدین (مطبوعہ ۱۳۰۲ھ)
مولانا محی الدین لکھوی (م ۱۳۱۲ھ) کی تالیف "ظفر المبین" کے جواب میں ہے۔

۹۔ رجم الشیاطین برأغلوطات البراہین (مطبوعہ ۱۳۰۲ھ)
مرزا غلام احمد قادیانی کی تالیف "براہینِ احمدیہ" کی اغلاط کا جائزہ ہے۔

۱۰۔ جواہرِ مضیئہ در ردِّ نیچریہ (مطبوعہ ۱۳۰۴ھ)
سرسید احمد خان کے عقائد و نظریات کا محاکمہ ہے۔

۱۱۔ ظہور الصحیح فی ظہر الجمعہ (مطبوعہ ۱۳۰۴ھ)

۱۲۔ کشف السطور عن مسئلۂ طوافِ قبور (مطبوعہ ۱۳۰۵ھ)

۱۳۔ نصرۃ الابرار فی جواب الاشتہار (مطبوعہ ۱۳۰۵ھ)
صلوٰۃ و سلام کے موضوع پر مولانا عبدالعزیز اور مولانا عبدالقادر (اہلحدیث علماء) سے ایک مناظرہ کی روداد ہے۔

۱۴۔ تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل (مطبوعہ ۱۳۰۸ھ)
۱۳۰۷ھ میں علمائے حرمین سے تصدیقی دستخط حاصل کرنے کے لیے اس کا عربی ترجمہ کیا گیا۔ اصل اُردو اور عربی ترجمہ دونوں یکجا طبع ہوئے ہیں۔

۱۵۔ فتح الرحمانی بدفع کید قادیانی (مطبوعہ ۱۳۱۴ھ)
مولانا غلام دستگیر نے مرزا غلام احمد قادیانی کو دعوتِ مباہلہ دی تھی۔ وہ مسجد ملا مجید میں اپنے بیٹوں اور پوتوں سمیت مباہلہ کے لیے تشریف لائے مگر مرزا نے مباہلہ میں خود آنے کی بجائے مولوی فضل دین کو بھیج دیا اور مباہلہ سے راہِ فرار اختیار کی۔ اس کے بعد یہ کتاب لکھی گئی۔

۱۶۔ جواب اعتراضات بر تحفۂ رسولیہ

۱۷۔ تحقیقاتِ دستگیریہ فی ردِّ ہفوات براہینیہ

مولانا غلام دستگیر قصوری ۱۳۱۵ھ/۹۸-۱۸۹۷ء میں فوت ہوئے اور

قصور میں دفنائے گئے۔ مولانا نبی بخش حلوائی نے اُن کے وصال پر قطعۂ تاریخ کہا۔ تاریخ وفات "مغفرلہ" سے نکالی ہے ع

۱۳۱۵ھ

تاریخ آں پیر ہدیٰ گفتہ سروش خوشنوا
"مغفرلہ" اے مدتما نغمہ سرا شد ہر کجا

مولانا قصوری شعر و سخن کا ذوق رکھتے تھے۔ گاہے ماہے شعر بھی کہتے تھے۔ ایک فارسی شعر کی تضمین کی ہے:

دیدہ گریاں، سینہ بریاں آہ و نالہ دمبدم
ہے یہ ذوق اپنا ہے یہ اپنا زیر و بم
دل کو ہے یہ فکر جو دن رات کو بھی ہے یہ غم
کے بود یا رب کہ سوئے یثرب و بطحا کنم
گہ بہ بطحا منزل و گہ در مدینہ جا کنم

مولانا مرحوم کے دو صاحبزادے مولانا عبدالرحمان اور مولانا غلام ابوبکر تھے۔ ایک صاحبزادی ہاجرہ بیگم تھی۔

* * * * *

غلام دستگیر نامی

پیر غلام دستگیر نامی بن پیر حامد شاہ بن پیر غلام محمد ۱۳ رجمادی الاخریٰ ۱۳۰۰ھ/ یکم مئی ۱۸۸۳ء کو سوجک رتہ پیراں ضلع شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔ اُن کا سلسلۂ نسب لاہور کے معروف سُہروردی بزرگ حضرت شیخ عبدالجلیل چوہڑ بندگی (م ۹۱۰ھ) سے ملتا ہے۔ اُن کے خانوادے میں اصلاح و ارشاد کی روایت کئی نسلوں سے چلی آ رہی تھی۔

پیر حامد شاہ کی نرینہ اولاد میں سے دو صاحبزادے یکے بعد دیگرے بچپن میں فوت ہو گئے تھے۔ اُسی زمانے میں مولانا غلام دستگیر قصوری رتہ پیراں تشریف لے گئے تو پیر حامد شاہ مرحوم کی ماموں زاد بہن کو یہ نام بہت پسند آیا۔ اُنھوں نے منت مانی کہ اُن کے بھائی اور برخوردار کو خدا نے بیٹا عطا کیا تو اُسے "غلام دستگیر" کے نام سے موسوم کیا جائے گا۔ چنانچہ مولانا نامی کا نام "غلام دستگیر" رکھ دیا گیا۔ مولانا نامی اپنے بارے میں کہتے ہیں:

زادم و گشتم غلام دستگیر   من شدم نامی بنام دستگیر[1]

ساڑھے آٹھ سال کی عمر میں مسجد ملا مجید محلہ چلہ بیبیاں لاہور میں مولانا محمد بخش بُلبل سے قرآن مجید ناظرہ پڑھنا شروع کیا اور اسلامیہ سکول (شاخ حویلی کابلی مل) کی دوسری جماعت میں داخل ہوئے۔ ۱۸۹۴ء کے دوسرے ربیع/۱۳۱۱ھ میں ان کے والد ماجد پیر حامد شاہ کا تبادلہ قصور ہو گیا۔ چنانچہ گورنمنٹ سکول قصور چلے گئے۔

---

[1] تاریخ جلیلہ ص ۲۸۱

چند ماہ بعد ۱۲ اکتوبر ۱۸۹۴ء / ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۲ھ کو پیر حامد شاہ کا انتقال ہوگیا تو مولانا ناقی تعلیم چھوڑ کر رتڑ پیراں چلے گئے۔ ۱۸۹۶ء/۱۳۱۴ھ میں اسلامیہ ہائی سکول دروازہ شیرانوالہ میں دوبارہ تعلیم شروع کی اور یہیں سے ۱۹۰۳ء/۱۳۲۱ھ میں انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔

مولانا ناقی نے کسی دینی درسگاہ میں باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی، البتہ مولانا محمد نجم الدین (پروفیسر شجاع الدین مرحوم صدر شعبہ تاریخ دیال سنگھ کالج لاہور کے نانا) اور مولانا اصغر علی روحی سے استفادہ کیا اور اپنے ذاتی مطالعہ سے اسلامی علوم میں مہارت حاصل کی۔

مولانا ناقی نے تلاشِ معاش میں مختلف سرکاری محکموں میں کام کیا۔ ریلوے ڈاک اور ضلع کچہری لاہور کی مختصر ملازمتوں کے بعد ۱۹۰۶ء/۱۳۲۴ھ میں محکمہ تعلیم سے وابستہ ہوئے۔ ۱۹۳۸ء/۵۷-۱۳۵۶ھ میں سنٹرل ٹریننگ کالج میں بطور خازن کام کر رہے تھے کہ مدتِ ملازمت پوری کر کے ریٹائر ہوئے۔

مولانا ناقی نے ۱۹۱۴ء/۳۳-۱۳۳۲ھ میں اپنے احباب کے تعاون سے "دائرۃ الاصلاح" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس کے مقاصد میں اصلاحِ معاشرہ، اتحاد بین المسلمین اور تذکارِ اسلاف کی کوششیں شامل تھیں۔ دائرۃ الاصلاح نے بیسیوں کتابچے شائع کیے جو ہزاروں کی تعداد میں بلا قیمت تقسیم کیے گئے۔ زیادہ تر کتابچے مولانا ناقی کے زورِ قلم کا نتیجہ ہوتے تھے۔

۱۹۳۲ء/۱۳۵۱ھ میں مولانا ناقی، اپنے ماموں اور سسر پیر محمد اشرف کی وفات پر حسبِ وصیت "خانقاہ حضرت جوہر بندگی" کے متولی مقرر ہوئے۔ انہوں نے خانقاہ کی نہ صرف تعمیر و تزئین کی بلکہ اپنے خانوادے کے علمی آثار کو زیورِ طباعت سے آراستہ کیا۔ مامریدان و مراد العاشقین، ذکر المحسن، ثمر الطالسلوک، حیاتِ مراد، نامۂ مراد، تذکرہ قطبیہ، تذکرہ حمیدیہ، حالاتِ بابرکات، اذکارِ قلندری، اکبرکِ عرس، گلدستہ شادی، قصائدِ قلندری، نعتیہ کلامِ حامی۔ خاص خاندانی کتابیں ہیں۔ جو اُن کی سعی سے طبع ہوئیں[1]۔

مولانا ناقی شاعر، تاریخ گو، مورخ، مصلح اور ماہر علم المیراث تھے۔ انہیں اپنے خانوادے کا گراں قدر ذخیرۂ کتب ورثے میں ملا تھا۔ پڑھنے لکھنے کا شوق تھا۔ فرائضِ ملازمت کی بجا آوری کے بعد جو وقت ملتا تھا اُسے مطالعہ اور تالیفِ کتب میں صرف کرتے تھے۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد ہمہ تن لکھنے پڑھنے میں لگ گئے تھے۔ اُن کی تمام کتب و رسائل مطبوعہ کی تعداد سو سے کم نہ ہوگی[2]۔ اہم کتابیں یہ ہیں:

۱۔ تاریخ مدینہ منورہ	۲۔ تاریخ مکہ معظمہ
۳۔ تاریخ نجدیہ	۴۔ خلافتِ صدیقی
۵۔ خلافتِ فاروقی	۶۔ خلافتِ حیدری
۷۔ زوالِ ایران	۸۔ حیدرِ کرار
۹۔ قرآنی قانونِ وراثت	۱۰۔ کلیدِ تقسیمِ وراثت
۱۱۔ انیس الوارثین	۱۲۔ قانونِ وراثت
۱۳۔ حکایاتِ مثنوی مولانا روم	۱۴۔ نسب نامہ
۱۵۔ بزرگانِ لاہور	

۱۶۔ تاریخ جلیلہ۔ خانوادہ حضرت جوہر بندگیؒ کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔

---

[1] تاریخ جلیلہ ص ۱۵

[2] ایضاً ص ۱۶

مولانا نامی کو مولانا اصغر علی روحی سے شاعری میں شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ ان کے
پسندیدہ موضوعات نعت، منقبت صحابہ رضؓ اور تاریخ گوئی رہے ہیں۔ گنبدِ خضرا کے آسودگانؓ
(حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر فاروق رضؓ) کے بارے میں کہتے ہیں:

گنبدِ خضرا کی خاکِ پاک میں — اِک قریبِ صاحبِ لولاک ہیں!
تا ابد آسودہ ہیں وہ خوش نصیب — جن سے دائم خوش رہے ہیں حق حبیب
ایک ہیں صدیق اکبر یارِ غار — دوسرے فاروقِ اعظم حق شعار
عمر بھر دونوں رہے حضرت کے ساتھ — جان دے کر بھی رہے حضرت کے ساتھ
حشر میں بھی یہ اُٹھیں گے ایک ساتھ — دستِ سرورؐ سے ملائے دونوں ہاتھ
قربِ جسمی اور روحی کا شرف — اور مژدہ بھی ہر اک کو لاتخف
دونوں نے جو خدمتِ اسلام کی — وہ بھی حصہ ہے اُنہی کا اے امی

۷ رجب ۱۳۸۱ھ / ۱۶ دسمبر ۱۹۶۱ء کو مولانا نامی ایک ماہ علیل رہ کر فوت ہوئے
حسبِ وصیت میت لاہور سے رتڑ پیراں منتقل کی گئی اور وہیں دفنائے گئے۔ مولانا
شرافت نوشاہی صاحب نے حسبِ ذیل قطعہ تاریخ کہا ؎

پیرِ نامی بے مثال و بے عدیل — افتخارِ عالماں روشن جبیل
در بلاغت ہم فصاحت باکمال — در ولایت اولیاء را شُد دلیل
خاندانش قرشی و ہکاری است — جامع علم و عمل شیخ جلیل
روز شنبہ ہفتم از رجب بداں — چوں سفر کرد از جہاں مردِ عقیل
وصلِ او "مغفور دائم" شُد ظہور!
ہم شرافت گفت "مغفرانِ جلیل" [1]

۱۳۸۱ھ

---

[1] تاریخ جلد ص ۵۰-۵۱ — [2] منتخب اعجاز التواریخ ص ۵۴

غلام دین لاہوری

مولانا غلام دین لاہوری بن میاں سید احمد بن میاں فضل دین موضع چکوڑی ضلع گجرات
میں پیدا ہوئے۔ گاؤں سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر "کنجاہ" میں ساتویں جماعت تک
تعلیم حاصل کی۔ مولانا محمد عبداللہ کنجاہی سے سکندر نامہ تک فارسی کتابیں پڑھیں۔ اس
کے بعد لاہور آ گئے۔ مولانا محمد مہر الدین (مؤلف تسہیل المبانی شرح مختصر المعانی) مولانا
سید ابوالبرکات اور مولانا سید دیدار علی الوری سے علوم مروجہ کی تحصیل کی اور ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء
میں دار العلوم حزب الاحناف سے سندِ فراغ حاصل کی۔

مولانا شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی سے بیعت کی تھی۔ خود کہتے ہیں ؎

اشرفی ہوں بندۂ مسکین ہوں — خادمِ قوم و غلام دین ہوں

فارغ التحصیل ہو کر مسجد ریلوے شیڈ (جامع مسجد صدیقیہ) میں خطابت و امامت
شروع کی۔ واعظِ خوش بیان تھے۔ تحریکِ پاکستان میں قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔
تحریکِ ختمِ نبوت (۱۹۵۳ء) میں حصہ لیا اور سنتِ یوسفی ادا کی۔

۱۰ شعبان ۱۳۹۰ھ / ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو وفات پائی اور جامعہ صدیقیہ کی جنوبی جانب
مدفون ہوئے۔ سید شرافت نوشاہی صاحب نے حسبِ ذیل قطعہ کہا ؎

زہے مولوی سعادت قریں — غلام جنابِ شہِ اہلِ دیں
بہ سنت جماعت لیے نیک نام — بہ تبلیغِ اسلام والا مقام
ز وعظِ شریفش خلائق ہزار — بہ راہِ ہدایت شدہ بے شمار
بلاہور فیضانِ او بے حساب — ز تبلیغِ او ہر کسے فیضیاب
بہ تاریخ رحلت سرفراز زمیں — بہ فردوس عالی شدہ جاگزیں

زترحیل آں زبدۃ الکاملین   زباتف ندا گشت مغفور دین

۱۳۹۰ھ

چو روحش بدار الجناں گشت شاد
شرافت بگو " افتخار العباد "[1]

۱۳۹۰ھ

مولانا غلام دین نے حسب ذیل کتابیں تالیف کیں:

۱۔ فضائلِ امام اعظم رح
۲۔ فضائل درود شریف
۳۔ رفیق الواعظین



---

[1] تذکرہ اکابر اہلسنت ص ۲۹۵

خلیفہ غلام رسول لاہوری

مولانا خلیفہ غلام رسول بن مولانا غلام فرید[1] لاہور کے سرآمد روزگار علماء میں سے تھے۔ مسجد موراں (تعمیر شدہ: ۱۲۲۲ھ) کے مدرسہ کی شہرت اُن کے دم قدم سے تھی۔ اُن کے برادر خورد مولانا غلام اللہ فاضل لاہوری اُن کے دستِ راست تھے۔ رائے بہادر کنہیا لال نے لکھا ہے:

"لاہور میں سے سکھی عہد میں مولوی خلیفہ غلام رسول اور خلیفہ غلام اللہ تھے۔ بڑا مدرسہ اُن کا جاری تھا۔ ہزاروں طلبا درویش دُور دُور ملکوں سے وہاں آکر تعلیم پاتے تھے۔ تمام زمانہ اُن کا بدل وجان ادب کرتا تھا۔ ہندو و اہلِ اسلام سب اُن کے شاگرد کہلاتے "[2]

مولانا خلیفہ غلام رسول نے اپنے والد ماجد سے استفادہ کیا تھا اور علوم متداولہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ سکھ دورِ حکومت میں کوئی دوسرا عالم تدریسی خدمات کے اعتبار سے اُن کا ہم پلہ نہیں تھا۔[3]

سلسلۂ قادریہ میں بیعت رکھتے تھے۔[4] ۱۲۵۰ھ/۳۵-۱۸۳۴ء میں فوت ہوئے۔ "ہادی نیک نظر" مادۂ تاریخ ہے۔

---

[1] دیکھئے ترجمہ مولانا خلیفہ غلام اللہ فاضل لاہوری
[2] تاریخ لاہور ص ۱۴۷
[3] حدیقۃ الاولیاء ص ۲۱۷ و حدائق الحنفیہ ص ۴۷۲
[4] سلسلۃ الاولیاء (قلمی) بحوالہ ماہنامہ العارف (لاہور) بابت ماہ اپریل ۱۹۷۰ء

اُن کا ایک ہی صاحبزادہ غلام حسین تھا جو نوجوانی میں انتقال کر گیا۔ اُن کے علمی جانشین برادرِ خورد مولانا خلیفہ غلام اللہ فاضل لاہوری تھے۔



غلام رسول چُنبڑ

مولانا غلام رسول بستی مستیاں نزد ملوک شاہ (ضلع بہاول پور) کے رہنے والے تھے۔ اُنہوں نے مولانا نور جہانیاں کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کی۔ جو بہاول پور شہر میں احمد پوری دروازے کے اندر واقع تھا۔

مولانا غلام رسول متبحر عالم اور صاحبِ نظر درویش تھے۔ بہاول پور کے خطے میں جن افراد کے دم قدم سے دینیات کی تعلیم عام ہوئی اُن میں مولانا غلام رسول چنبڑ کا نام بہت نمایاں ہے۔ اُن کا زیادہ وقت درس و تدریس میں گزرتا تھا۔ درس و تدریس سے جو وقت بچتا، اوراد و اذکار میں گزارتے تھے۔

ساٹھ ستر برس کی عمر میں ۲۱ ربیع الاخری ۱۲۹۰ھ / ۱۳ جون ۱۸۷۳ء کو وفات پائی۔[1] اور قبرستان ملوک شاہ میں دفنائے گئے۔ ایک اونچے پختہ چبوترے پر اُن کا مزار ہے۔ چنبڑ قوم کے لوگ اُن سے عقیدت و محبت رکھتے ہیں۔

مولانا غلام رسول چنبڑ سے ایک زمانے نے فیض پایا۔ اُن کے چند شاگردوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ مولوی شمس الدین۔ جج بہاول پور
۲۔ مولوی عبدالرشید۔ خانقاہ والے
۳۔ قاضی محمود الدین بہاول پوری
۴۔ مولوی نور محمد
۵۔ مولوی عزیز الدین



---

[1] ذکرِ کرام ص ۵۵

غلام رسول توگیروی

خواجہ غلام رسول بن خواجہ سلطان محمود ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۴-۱۵ء میں لونگر محمود لنگاہ نزد بہاول نگر میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید اور ابتدائی فارسی کتب حافظ محمد عظمت اللہ (خلیفہ شیخ محمد فاضل نیکوکارہ) سے پڑھیں۔ ۱۲۴۵ھ/۱۸۲۹-۳۰ء میں مہار تشریف لے گئے۔ مولانا نور الدین اور مولانا محمد عمر تونسوی سے علوم درسیہ کی تحصیل کی۔ مولانا محمد کامل بہاول پوری اور مولانا غلام رسول بہاول پوری کے نام بھی ان کے اساتذہ میں شامل ہیں۔ جیلا واہن کے حافظ محمد افضل اور مولانا جان محمد (ساکن موضع ہتہ جھنڈو) سے بھی استفادۂ علمی کیا۔ لاہور میں خلیفہ حمید الدین لاہوری کے زیر تربیت رہے، اور مدرسہ مولوی محمد حیات دہلی میں مولانا عبدالرحمان پنجابی سے اکتساب فیض کر کے سند فضیلت حاصل کی۔

چشتی سلسلہ میں شاہ محمد سلیمان تونسویؒ سے بیعت ہوئے اور توگیرہ (تحصیل و ضلع بہاول نگر) کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ وہیں ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷-۶۸ء میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہیں۔[۱]

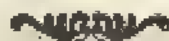


۱؎ الیواقیت المہریہ ص ۹۸-۱۰۰؛ تذکرۂ اکابر اہلسنت ص ۳۱۵-۳۱۶

نیز "صاحب عزت و توقیر" سے بھی سالِ رحلت برآمد ہوتا ہے۔ مولانا مرحوم کی اولاد میں دو صاحبزادے مولوی محمد الدین اور مولوی نور الدین تھے جو اچھے خوشنویسوں میں شمار ہوتے تھے۔

مولانا شائق عربی و فارسی میں شعر کہتے تھے۔ انہوں نے "محمود نامہ" کے طرز پر ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء میں "شائق نامہ" نظم کیا تھا[۱]۔ اس کے علاوہ ان کی تین بیاضیں ملتی ہیں جو نہایت خوبصورت انداز میں لکھی گئی ہیں۔ مولانا شرافت نوشاہی ان بیاضوں کے متعلق لکھتے ہیں:

"یہ تینوں بیاضیں مولانا شائق رسول نگری کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں۔ ان میں کافی مقدار میں علمی سرمایہ جمع کیا ہے۔ تقریباً ایک سو ستر کتابوں سے زیادہ کا ان میں انتخاب درج کیا ہے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، طب، لغت، عروض، تاریخ، عملیات، صرف، نحو، منطق، ادب، معانی، مناظرہ اور مناقب وغیرہ کے مضامین زیبِ قرطاس کیے ہیں[۲]۔"



---

[۱] فہرست مخطوطات شیرانی جلد اوّل ص ۴۷۰

[۲] شریف التواریخ (مسودہ)

غلام رسول شائق

مولانا غلام رسول شائق بن شیخ احمد بن میاں شرف بن میاں مخدوم بن میاں معصوم قصبہ رسول نگر ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے۔ اُن کا سلسلۂ نسب خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق (م ۲۳ھ) سے جا ملتا ہے۔ اُن کے خاندان میں علم و فضل کئی پشتوں سے چلا آرہا تھا۔ مولانا شیخ احمد اپنے علاقے کے ایک بڑے عالم تھے۔ ۱۲۴۲ھ/ ۲۷-۱۸۲۶ء میں فوت ہوئے۔ مولانا غلام رسول شائق نے "عالمٌ فاضلٌ فائق" سے سالِ وفات نکالا ہے۔

مولانا غلام رسول شائق علومِ دینیہ کے جیّد عالم تھے اور رسول نگر میں مفتی کے فرائض انجام دیتے تھے۔ خانوادۂ قادریہ نوشاہیہ میں مولانا سیّد گل احمد نوشاہی سے بیعت تھے اور اُن ہی سے اجازتِ بیعت حاصل کی تھی۔

مولانا غلام رسول شائق ۱۳۰۰ھ/ ۸۳-۱۸۸۲ء میں فوت ہوئے اور قصبہ رسول نگر میں دفنائے گئے۔ وفات سے ایک دن پہلے خود حسبِ ذیل تاریخ کہی تھی[۱]:

الٰہی از کرم پیدا کنی خلق!
نستعلوا الرزق فضلٌ غیر عدلٍ
چو بافضلت شدم محتاج گفتم
کہ۔ یا اللہ کرمنا بفضلٍ

۱۳۰۰ھ

---

[۱] شریف التواریخ (مسودہ)

مفتی غلام سرور لاہوری

مفتی غلام سرور بن مفتی غلام محمد بن مفتی رحیم اللہ قریشی ۱۲۴۴ھ/ ۲۹-۱۸۲۸ء میں کوچہ کوٹلی مفتیاں میں پیدا ہوئے۔ ایک علمی خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔

انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد مفتی غلام محمد (م ۱۲۷۶ھ) سے حاصل کی۔ ان ہی سے فن طب سیکھا پھر مولانا غلام اللہ فاضل لاہوری کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور علوم متداولہ کی تحصیل کی۔

مفتی صاحب نے عملی زندگی کا آغاز ملازمت سے کیا۔ ابتدا میں سردار بھگوان سنگھ (آنریری مجسٹریٹ لاہور، جاگیردار فتح گڑھ چوڑیاں) کی جائیداد کے منتظم رہے۔ پھر رائے بہادر کنہیا لال[1] ایگزیکٹو انجینئر لاہور کے دفتر میں بطور منشی ملازم ہوئے۔[2] لیکن جلد ہی ملازمت ترک کر کے ہمہ تن علم و ادب کی گیسو آرائی میں مصروف ہو گئے اور ساری

---

[1] کنہیا لال (م ۱۳۰۶ھ) مفتی غلام سرور کے شاگردوں میں سے تھا۔ اس کی زندگی کا زیادہ حصہ لاہور میں گزرا۔ تصنیف و تالیف کا عمدہ ذوق رکھتا تھا۔ اس کی کئی کتابیں ہیں جن میں ظفر نامہ رنجیت سنگھ، تاریخ پنجاب اور تاریخ لاہور بہت معروف ہیں۔ فارسی اور اردو میں شعر کہتا تھا اور ہندی تخلص کرتا تھا۔

مفتی صاحب کا قدردان تھا۔ ان کی کتابوں کے آخر میں کنہیا لال ہندی کے قطعات تاریخ ملتے ہیں۔ مولوی فیروز الدین نے لکھا ہے کہ "مفتی صاحب نے کئی کتابیں تصنیف کیں جو لالہ کنہیا لال کے نام سے شائع ہوئیں اور ان پر بیش قرار معاوضے ملے۔"

(جہاد زندگی ص ۱۲۰)

[2] جہاد زندگی ص ۱۲۰

زندگی اسی گلستان کے گل بوٹے سنوارنے میں گزار دی۔

مفتی صاحب شگفتہ مزاج، ملنسار اور عبادت گزار صوفی تھے۔ سلسلۂ سُہروردیہ میں
اپنے والد ماجد سے بیعت تھے۔ ۱۳۰۷ھ / ۱۸۹۰ء میں ارضِ حجاز میں حاجی امداد اللہ مہاجر
مکی (م ۱۳۱۷ھ) سے چشتی سلسلے میں تعلق پیدا کیا۔ مگر اُنہیں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ
کی ذات و تعلیمات سے از حد دلچسپی تھی۔

مفتی صاحب کی طبیعت میں استغنا اور قناعت پائی جاتی تھی۔ حکام وقت سے دور
رہتے تھے۔ اگر وہ چاہتے تو ادنیٰ کوشش سے "شمس العلماء" کا خطاب حاصل کر سکتے تھے
مگر اُنہوں نے علم و ادب کی خدمت ان خواہشات سے بے نیاز ہو کر کی۔ سر سید احمد خان
(م ۱۳۱۵ھ) کے متجددانہ خیالات سے اختلاف کرتے تھے۔ ۱۸۸۴ء / ۱۳۰۱-۰۲ھ میں
سر سید احمد خان "زندہ دلانِ پنجاب" کا تعاون حاصل کرنے پنجاب آئے۔ لاہور میں
ڈپٹی برکت علی اُن کے دوست تھے، اُن ہی کے ہاں قیام تھا۔ ڈپٹی برکت علی نے معززین
لاہور کو اپنے ہاں مدعو کیا تاکہ سر سید احمد خان اُن سے اپنے دل کی بات کہیں اور علی گڑھ
کالج کے لئے اُن کا تعاون حاصل کریں۔ ان معززین میں مفتی صاحب بھی شامل تھے۔
سر سید احمد خان غائبانہ طور پر اُن سے متعارف تھے۔ ملاقات پر خوشی کا اظہار کیا اور کوئی
کام اُن کے ذمے کرنا چاہا۔ مفتی صاحب نے جواب دیا کہ میں گوشہ نشین آدمی ہوں تصنیف و
تالیف میرا شغل ہے۔ اُنہوں نے اپنے گرد جو افراد اکٹھے کئے ہیں وہی ان کے مقاصد کے
لئے موزوں ہیں۔ نیز جماعتی اتحاد کے لئے عقائد کی ہم آہنگی بھی ضروری ہے۔ سر سید
کا یہ جواب سُن کر خاموش ہو گئے۔

جولائی ۱۸۹۰ء / ۱۳۰۷ھ میں اپنے برادر زادہ مفتی جلال الدین بن مفتی سید محمد
کے ہمراہ حج کے لئے روانہ ہوئے۔ حج کا فریضہ ادا کرنے کے بعد ہیضہ میں مبتلا ہو
گئے اور سفر میں ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۰۷ھ / ۱۲ اگست ۱۸۹۰ء کو وفات پائی۔ مولانا غلام دستگیر

قصوری اُن کے رفیقِ سفر تھے۔ اُنہوں نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور میدانِ بدر کے قریب
بیر بالا حسانی میں دفن کئے گئے[1]

روضۂ زیارتِ نبویؐ کے بارے میں اُنہوں نے کہا تھا ؎
ابھی سر دینے کی ہے سرورِ عالم کی پابوسی
۱۳۰۷ھ

یہی مصرعہ اُن کے لئے مصرعۂ تاریخ وفات ہے۔

مفتی صاحب بلند پایہ عالم، مؤرخ، تذکرہ نگار، تاریخ گو اور شاعر تھے۔ اُن سے
حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں:

تاریخ، تذکرہ اور مناقب

۱۔ خزینۃ الاصفیاء (فارسی: تالیف مابین ۱۲۸۰ھ و ۱۲۸۵ھ)
۲۔ حدیقۃ الاولیاء (اُردو، تالیف ۱۲۹۲ھ)
۳۔ مدینۃ الاولیاء (اُردو)
۴۔ بہارستانِ تاریخ (گلزار شاہی) ہندوستان کی عام تاریخ (اُردو تالیف ۱۲۹۰ھ)
۵۔ تاریخ مخزنِ پنجاب (اُردو تالیف ۱۲۸۵ھ)
۶۔ مناقبِ غوثیہ (اُردو تالیف ۱۲۷۷ھ) شیخ محمد صادق شہابی کی فارسی تالیف کا ترجمہ

اخلاقیات

۷۔ مخزنِ حکمت (اُردو تالیف ۱۲۸۸ھ نظرِ ثانی ۱۲۹۶ھ)

[1] ذکرِ جمیل ص ۶۲

۸۔ تحفۃ الابرار۔ منظوم اُردو ترجمہ پندنامہ عطار

۹۔ گلشنِ سروری۔ (منظوم اُردو۔ تالیف ۱۲۸۹ھ)

۱۰۔ تحفۂ سروری (" " ۔ تالیف ۱۲۹۷ھ)

۱۱۔ اخلاقِ سروری (اُردو نثر۔ تالیف ۱۲۸۸ھ)

دواوین

۱۲۔ دیوانِ نعتِ سروری (اُردو و فارسی مطبوعہ ۱۲۹۰ھ)

۱۳۔ دیوانِ حمدِ ایزدی

۱۴۔ دیوانِ سروری (مطبوعہ ۱۲۸۹ھ)

۱۵۔ کلیاتِ نعتِ سروری

مادہ ہائے تاریخ

۱۶۔ گنجینۂ سروری (گنجِ تاریخ) تالیف ۱۲۸۴ھ

۱۷۔ چمنِ بے نظیر

انشاء

۱۸۔ انشائے یادگارِ اصغری

لُغت

۱۹۔ لغاتِ سروری (زبدۃ اللغات) پانچ برس کی محنت کے بعد ۱۲۹۲ھ میں مکمل ہوئی۔

۲۰۔ جامع اللغات

متفرق

۲۱۔ احوال الآخرت (پنجابی منظوم)

مفتی صاحب کی اولاد میں پانچ فرزند اور ایک صاحبزادی تھیں[1]۔ فرزندوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ مفتی غلام حیدر ۲۔ مفتی غلام صفدر

۳۔ مفتی غلام اکبر ۴۔ مفتی محمد انور

۵۔ مفتی غلام اصغر۔ ۱۲ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ اُن کی یاد میں "انشائے یادگارِ اصغری" تالیف ہوئی تھی۔



[1] حدیقۃ الاولیاء ص ۲۲۱

خواجہ غلام فرید

خواجہ غلام فرید بن خواجہ خدا بخش بن میاں احمد علی بن قاضی محمد عاقل ماہ ذی الحجہ ۱۲۶۱ھ[1] / ۱۸۴۵ء میں چاچڑاں میں پیدا ہوئے۔ اُن کے خانوادے میں علم و ادب کی روایت کئی نسلوں سے چلی آ رہی تھی۔ خواجہ غلام فرید ابھی آٹھ سال کے تھے کہ اُن کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ خواجہ غلام فرید کے بڑے بھائی خواجہ غلام فخر الدین سجادہ نشین ہوئے۔ خواجہ صاحب کی عمر بارہ سال کے لگ بھگ تھی کہ والدہ ماجدہ بھی انتقال کر گئیں۔

خواجہ غلام فرید کی پرورش اُن کے برادرِ بزرگ خواجہ غلام فخر الدین نے کی۔ اُنہوں نے خواجہ صاحب کی پرورش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ بعد میں نواب صادق محمد خان (والیٔ بہاولپور) نے اُن کی تعلیم و تربیت کی۔

خواجہ غلام فرید نے آٹھ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور سولہ سال کی عمر تک مصروفِ تعلیم رہے۔ اپنے برادرِ بزرگ خواجہ غلام فخر الدین کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اپنے مرشد کے بارے میں کہتے ہیں:

بخشاں فخر الدین مٹھل دیاں　　تن من کیتا چکنا چور

گھول گھتاں میں فخر جہاں توں　　جنت حور قصور

۱۲۸۸ھ/۷۲-۱۸۷۱ء میں خواجہ غلام فخر الدین کی وفات پر مسند نشین ہوئے۔ مسند نشینی کے وقت نواب صادق محمد خان رابع نے چاچڑاں جا کر اُن کی دستار بندی کی اور خلعت

---

[1] تذکرہ نگاروں نے اُن کی تاریخ ولادت میں اختلاف کیا ہے۔ "مناقبِ فریدی" میں ذی قعدہ ۱۲۶۱ھ اور "پنجابی شاعراں دا تذکرہ" میں رمضان ۱۲۶۱ھ میں لکھا گیا ہے۔

پیش کی۔ نواب صاحب خود خواجہ غلام فرید کے بے پناہ عقیدت مند تھے۔

خواجہ صاحب وسیع المطالعہ اور وسیع المشرب بزرگ تھے اور اُن کی گفتگو میں اکثر علمی نکات ہوتے تھے۔ تاریخ کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ تاریخی مقامات کی سیر اور اُن کے بارے میں معلومات یکجا کرنا اُن کا دل پسند شوق تھا۔ علمِ انساب کے ماہر تھے۔ جب کبھی اُن کے سامنے کسی بزرگ کا ذکر ہوتا تو فوراً اُن کا نسب نامہ بیان کر دیتے تھے۔

شریعتِ حقہ پر سختی سے کاربند تھے۔ ہندوانہ رسوم اور غیر شرعی اعمال سے نفرت تھی۔ عورتوں کی بے حجابی اور مردوں سے اُن کا بے باکانہ اختلاط پسند نہیں کرتے تھے۔ سابق ریاست بہاولپور میں بھنگ کا بہت رواج تھا۔ اُنہوں نے بعض بھنگ خوروں کا سوشل بائیکاٹ کیا۔ خلوت پسند، کم گو اور کم خور بزرگ تھے۔ نظافت پسند، سادہ طبیعت اور جود و سخا میں بے مثال تھے۔ چشتیہ مسلک کے مطابق قوالی کے شائق تھے۔ آخری زندگی میں قادری سلسلے کے اذکار و اشغال اُن پر غالب تھے۔

۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء میں فریضۂ حج ادا کیا اور ساٹھ سال کی عمر میں ۶ ربیع الاولیٰ ۱۳۱۹ھ/ ۲۴ جولائی ۱۹۰۱ء کو فوت ہوئے۔ کوٹ مٹھن میں مدفون ہوئے۔ قطعۂ تاریخ وفات یہ ہے:

مرشدِ شاہ ما غلام فرید　　الذی کان راضیاً برضاہ

شاہ ملکِ طریقت و عرفان　　صاحب العز والبہا والجاہ

نائی غیر مثبت و حسد　　ذکرہ لا الٰہ الا الصمد

اعتقادش بدل خلائق را　　وصفہ فی اللسان والافواہ

ترکِ دنیا نمود و رحلت کرد　　غمنا بالفراق واسفاہ

روح والاش چون صعود نمود　　سرّ من کان فی السماء بلقاہ

ہر مقامے کہ بود طے فرمود　　قد علا قدرہ وبا اعلاہ

جانگداز شد جاہ رحمت یاد   جعل اللہ جنتہ مثواہ
سالِ ترحیل او عزیز بگفت
جادہ مثوی لہٗ و طاب ثراہ[1]

۱۳۱۹ھ

خواجہ غلام فرید سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں:

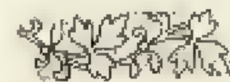
۱۔ فوائدِ فریدیہ۔ (توحید اور دوسرے اعتقادی مسائل)

۲۔ دیوانِ فرید (اُردو)

۳۔ دیوانِ فرید (پنجابی)

اُن کے ملفوظات مولانا رکن الدین نے "ارشاداتِ فریدی" کے نام سے مرتب کئے ہیں۔ خواجہ صاحب پنجابی کے بلند پایہ شاعر تھے۔ اُن کا کلام وارداتِ عشق اور مسائلِ تصوف سے لبریز ہے۔ اُن کی منظومات کے تراجم اُردو کے علاوہ مختلف زبانوں میں ہو چکے ہیں۔

خواجہ صاحب نے "ٹوبہ نراوا" (چولستان) میں ایک عرصہ قیام کیا تھا اور اسی علاقے کی ایک دوشیزہ سے شادی کی تھی۔ اُن کی اولاد میں ایک دختر اور ایک فرزند خواجہ محمد بخش نازک تھے۔ خواجہ نازک اُن کے جانشین ہوئے۔



---

[1] گوہرِ شب چراغ بحوالہ خواجہ غلام فرید، ص ۹۴

غلام قادر بھیروی

مولانا عبدالقادر (معروف بہ غلام قادر) بن غلام حیدر بھیرہ ضلع سرگودہا کے ایک دیندار خاندان میں پیدا ہوئے۔ مولانا غلام قادر کے والد ماجد غلام حیدر صاحبِ علم اور دیندار انسان تھے۔ اُنہوں نے اپنے صاحبزادے کی دینی تعلیم و تربیت کی طرف پوری توجہ دی۔

مولانا غلام قادر نے ابتدائی درسی کتب مولانا غلام محی الدین بگوی اور مولانا احمد الدین بگوی سے پڑھیں۔ کچھ عرصہ بعد دہلی کا رُخ کیا اور مفتی صدرالدین آزردہ (م ۱۲۸۵ھ) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

۱۸۵۷ء/۱۲۷۳ھ کی جنگِ آزادی کے فوراً بعد لاہور آئے اور "اونچی مسجد اندرون بھاٹی گیٹ" میں فرائضِ خطابت و وعظ انجام دینے لگے۔ بعد میں "بیگم شاہی مسجد" کی متولیہ بائی جیواں نے اُن کی خدمات اپنی مسجد کے لئے حاصل کر لیں۔ اُنہیں اپنا متبنّیٰ بنایا اور مسجد کی تولیت بھی اُن کے سپرد کر دی۔ مؤلفِ "تذکرہ علمائے اہلسنت و جماعت لاہور" کا قیاس ہے کہ مولانا غلام قادر ۱۸۷۲ء/۸۹-۱۲۸۸ھ سے پہلے اس مسجد میں تشریف لے آئے تھے۔[1]

مولانا غلام قادر ۱۸۷۹ء/۹۷-۱۲۹۶ھ میں اورینٹل کالج لاہور سے بحیثیت مدرسِ دوم (عربی) منسلک ہوئے اور ۱۸۸۱ء/۹۹-۱۲۹۸ھ میں الگ ہو گئے۔[2] اس کے بعد مدرسہ نعمانیہ لاہور

---

[1] تذکرہ علمائے اہلسنت و جماعت لاہور، ص ۲۲۴-۲۲۵

[2] تاریخ اورینٹل کالج، ص ۲۱۱

میں درس و تدریس کرتے رہے۔

مولانا غلام قادر ۱۹ ربیع الاوّل ۱۳۲۷ھ / ۱۰ اپریل ۱۹۰۹ء کو فوت ہوئے اور بیگم شاہی مسجد کے جوار میں دفنائے گئے۔ مولانا محمد عالم آسی امرتسری نے "منبع فیض رب جلیل" سے سالِ وفات نکالا ہے۔

مولانا غلام قادر بلند پایہ مدرس تھے۔ مولانا عبدالحیّ رائے بریلوی نے لکھا ہے:

"لم یکن له نظیر فی پنجاب فی کثرۃ الدرس والافادہ"[1]

جناب حکیم احمد شجاع مرحوم نے "بھاٹی گیٹ لاہور" کے گردو نواح میں رہائش پذیر علماء و فضلاء کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"عربی اور فارسی کے علوم میں اُن (مولانا غلام قادر) کو وہ دستگاہ حاصل تھی کہ بڑے بڑے عالم و فاضل اُن کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرتے تھے۔ میرے والد حکیم شجاع الدین احمد مرحوم (جو اپنی زندگی کے ابتدائی زمانے میں دہلی میں قاضی القضاۃ ہند صدر الصدور مفتی صدر الدین سے اکتسابِ علم کر چکے تھے۔ عربی زبان کے فاضل اجلّ ہونے کے باوجود اپنی عربی اور فارسی زبان کی تصنیفات مولانا غلام قادر ہی کو دکھاتے اور ان سے اصلاح لیتے تھے۔ مجھے اپنے بچپن میں اُن کی زیارت کا شرف حاصل ہوا اور میں نے اکثر دیکھا کہ وہ درسِ قرآن دیتے وقت بیٹھے ہوئے چنے اور منقّی چباتے رہتے تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اسی پر اُن کی خوراک کا دارومدار ہے۔ ہاں میں نے یہ بھی دیکھا کہ اُن کے درس و تدریس کا سلسلہ ان ہی لوگوں تک محدود ہے جو علم و فضل میں منتہائے کمال کو پہنچ چکے تھے۔ بچوں کو

[1] نزہۃ الخواطر ج ۸، ص ۳۲۹

درسِ قرآن دینے کے لئے اُن کے ایک شاگرد اور مرید تھے جو قاضی جی کہلاتے تھے۔ اس فقیر گوشہ نشین کو میں نے اس زمانے میں دیکھا جب مجھ میں اُن کے علم و فضل کو پرکھنے کی استعداد نہ تھی۔ پھر بھی مجھے فخر ہے کہ اس مردِ حق آگاہ نے مجھے آغازِ کلام اللہ کے وقت بسم اللہ پڑھائی۔"[1]

مولانا غلام قادر متشدد حنفی تھے۔ انہوں نے اپنی مسجد میں حسب ذیل کتبہ لگوایا ہوا تھا:

"باتفاق انجمن حنفیہ دحکم شرع قرار پایا کہ کوئی وہابی، رافضی، نیچری، مرزائی مسجد ہذا میں نہ آئے اور خلافِ مذہب حنفی کوئی بات نہ کرے۔

فقیر غلام قادر عفی عنہ متوّلی بیگم شاہی مسجد

کتبہ: عبدالحمید خوشنویس

اگر اُن کی مسجد میں کوئی اہلِ حدیث نماز پڑھ لیتا تو نہ صرف وہ مسجد کا فرش دھلاتے بلکہ بعض اوقات مسجد کا فرش اکھڑوا دیتے اور نیا فرش لگواتے تھے۔

مولانا غلام قادر سلسلہ چشتیہ میں خواجہ شمس الدین سیالوی سے بیعت تھے۔ اور اُن سے مجاز بیعت تھے۔ مولانا مرحوم کی حسب ذیل تصنیفات ملتی ہیں:[2]

۱۔ اسلام کی گیارہ کتابیں
۲۔ نمازِ حضوری
۳۔ نمازِ ضروری
۴۔ ختماتِ خواجگان
۵۔ حقیقتِ انوارِ محمدیہ
۶۔ شمس المتقیہ بجواب نور الحنفیہ

[1] لاہور کا چیلسی۔ نقوش شمارہ نمبر ۱۰۲، ص ۲۲

[2] تذکرہ علمائے اہلسنت و جماعت ص ۲۲۳-۲۲۱

۷۔ جوہرِ ایمانی

۸۔ نورِ ربانی فی مدح محبوب السبحانی

۹۔ عکازہ در صلوٰۃ الجنازہ

۱۰۔ شوارقِ صمدیہ ترجمہ بوارقِ محمدیہ فی رجم الشیاطین النجدیہ (تالیف: مولانا فضل رسول بدایونی)

۱۱۔ فاتحہ خوانی

۱۲۔ شمس الضحٰی فی مدح خیر الوریٰ

مولانا غلام قادر کی اولاد میں دو صاحبزادے (مولانا رفیع الدین اور مولانا زین العابدین) اور دو صاحبزادیاں تھیں۔



95303

غلام قادر منچن آبادی

مولانا غلام قادر سابق ریاست بہاول پور کے ایک بزرگ عالم تھے۔ انہوں نے مولانا اللہ بخش بہاول نگری کے ہمراہ حصولِ تعلیم کے لئے وسطِ ہند کا سفر کیا۔ علومِ دینیہ کی تحصیل کے بعد منچن آباد آ گئے اور ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ یہ مدرسہ رجب ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۷ء تک تشنگانِ علوم دینی کی پیاس بجھا رہا تھا۔[1]

مولانا غلام قادر نے نہ صرف مسلمانوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا بلکہ اُن کی معاشی بہبود کے لئے بھی کوشاں رہے۔ مفلوک الحال غریب مسلمانوں کو جو قرض کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے، مالی امداد دے کر انہیں اپنے پاؤں پر کھڑا کیا۔

مولانا غلام قادر کے مفصل حالاتِ زندگی دستیاب نہیں ہیں۔ محمد پور سنساراں ضلع بہاول نگر میں مدفون ہیں۔



---

[1] تذکرہ کرام ص ۱۲

غلام محمد قادری لاہوری

مولانا حافظ غلام محمد قادری المعروف بہ امام گاموں بن حافظ محمد صدیق بن حافظ محمد حنیف بن محمد لطیف ایک صاحبِ علم خانوادے کے گل سرسبد تھے۔ اُن کے دادا حافظ محمد حنیف کابل سے ترکِ سکونت کر کے پنجاب آئے اور مستقل طور پر لاہور میں اقامت گزین ہو گئے۔ حافظ محمد حنیف جیّد عالم تھے مگر اس خاندان کی شہرت مولانا حافظ محمد صدیق (م ۱۱۹۳ھ) سے ہوئی۔ حافظ محمد صدیق قابل مدرّس، جیّد عالم اور صاحبِ تصنیف و تالیف تھے۔ اُن کی علمی یادگاریں آج بھی قابلِ توجہ ہیں۔

مولانا حافظ غلام محمد علوم متداولہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ سکھا شاہی میں لاہور کی اکثر مساجد بارود خانوں اور گھوڑوں کے اصطبلوں کے طور پر استعمال ہوتی رہی تھیں مگر مسجد وزیر خان مولانا غلام محمد کے سبب سکھوں کی دستبرد سے محفوظ رہی۔ اُن کے علم و نظر کے پیشِ نظر اہلِ لاہور انہیں عزت و احترام سے دیکھتے تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ بھی ان کا احترام کرتا تھا۔ جملہ تذکرہ نگار اُن کے علم و نظر کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں[1]۔

مولانا غلام محمد نیک طینت اور نیک دل بزرگ تھے۔ اہل اللہ کی مجالس میں بیٹھنے اور درویشوں کی خدمت میں لُطف محسوس کرتے تھے۔ بہت اچھے خوشنویس تھے۔ کتابت سے جو کچھ حاصل ہوتا، درویشوں اور غرباء میں تقسیم کر دیتے تھے۔ سیّد عبداللہ شاہ قادری بلوچ کے مرید تھے۔

[1] رک، حدائق الحنفیہ، حدیقۃ الاولیاء، و تاریخ لاہور وغیرہ

اُن کے دم قدم سے مسجد وزیر خان کا مدرسہ تشنگانِ علم کا مرجع تھا۔ وہ اپنے طلبہ کی ضروریات کا بہت خیال رکھتے تھے اور اُن کے ذکر و ورد میں شریک رہتے تھے۔ آخر دم تک مسجد وزیر خان کی امامت و خطابت کے فرائض انجام دیتے۔ اُن کا وعظ پُرتاثیر ہوتا تھا۔ ۱۲۴۴ھ/۲۹-۱۸۲۸ء میں فوت ہوئے[1] اور مسجد وزیر خان کے باہر جنوب کی طرف دفنائے گئے۔

مولانا غلام محمد صاحبِ تصانیف تھے۔ اُن کی مندرجہ ذیل کتابیں معروف ہیں۔

۱۔ شمس التوحید
۲۔ گنج مخفی (منظوم)

مولانا غلام محمد فارسی زبان میں شعر کہتے تھے اور غریب تخلص کرتے تھے۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے اپنی تالیف "حدیقۃ الاولیاء" (تصنیف: ۱۲۹۲ھ) میں لکھا ہے:

"اُن کے عاشقانہ ابیات اب تک زبان زدِ خلق ہیں"[2]

"گنج مخفی" سے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں:

گنج مخفی ست در تو اے دلدار — بے خبر زاں نشستہ چوں مار
خبر شرط است می کنم بشنو — پنبہ از گوش خویش بیروں آر
چیست آں پنبہ خوابِ غفلت تو — باش ازیں خواب جانِ من بیدار
گر تو بیدار باشی اے جانم — پیش تو من عجب کنم گفتار

[1] بعض تذکرہ نگاروں نے تاریخ وفات ۲۵ ذی الحجہ ۱۲۴۲ھ لکھی ہے مگر خاندانی ریکارڈ میں ۱۲۴۴ھ درج ہے۔ (حدیقۃ الاولیاء، ضمیمہ ثالث)

[2] حدیقۃ الاولیاء ص ۲۶۴

گوش جاں کن بشنو حدیث از من
تا شوی ہمچوں گل تو خوشبو دار

اپنے عقائد اور تخلص کے بارے میں رقمطراز ہیں:

اے غریب ابن حافظ صدیق — از دل و جان غلام ہر چہار
سُنّی و قادری و حنفی ام — از روافض خوارجی بیزار
گر تو پرسی کہ اسم جسم چیست — تو غلام محمد پندار
در تخلص غریب پنداری — گر بخوانی تو نظم من اے یار
بہ حقیقت اگر نظر بہ کنی — نہ تخلص نہ اسم و جسم شمار

مفتی غلام محمد لاہوری

مفتی غلام محمد بن مفتی رحیم اللہ بن مفتی رحمت اللہ بن مفتی محمد تقی حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی (م ۶۶۶ھ) کی اولاد میں سے تھے۔ اُن کے اجداد میں سے مخدوم مفتی محمد قریشی معروف بہ میاں کلاں (م ۸۹۱ھ) کو سلطان بہلول لودھی (م ۸۹۴ھ) نے لاہور کا مفتی مقرر کیا اور وہ ملتان سے لاہور آ گئے۔[1] انہوں نے اندرون موچی دروازہ اپنی رہائش کے لئے ایک حویلی تعمیر کی اور ایک محلّہ آباد کیا۔ اس خانوادے کے حوالے سے "کوچہ مفتیاں" کے نام سے مشہور ہوا۔

مفتی شیخ محمد قریشی کی اولاد میں علم و افتاء کی روایت قائم رہی اور ہر دور میں جیّد علماء پیدا ہوتے رہے۔ مفتی غلام محمد علوم مروّجہ پر عبور رکھتے تھے۔ بالفاظ مولوی رحمان علی "جامع علوم و فنون"[2] تھے۔ تعلیم و تدریس اور مریضوں کے علاج معالجہ میں مصروف رہتے تھے۔ کتابتِ قرآن سے آذوقۂ حیات حاصل کرتے تھے۔

مفتی غلام محمد نے اپنے والد ماجد سے اکتسابِ فیض کیا اور مولانا غلام رسول لاہوری سے علمی و دینی استفادہ کیا تھا۔

۹ ربیع الاول ۱۲۷۶ھ / ۶ اکتوبر ۱۸۵۹ء کو فوت ہوئے "خورشید دینِ محمد" ۱۲۷۶ھ سے سالِ وفات نکلتا ہے۔

مفتی غلام محمد مرحوم کی اولاد میں تین لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ لڑکوں نے علمی دنیا

---

[1] حدیقۃ الاولیاء ص ۲۲۰

[2] تذکرہ علمائے ہند ص ۱۵۶

میں خوب نام پیدا کیا۔

۱۔ مفتی سید محمد لاہوری ــــــ صاحبِ علم و عمل تھے۔ ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء میں سفرِ حج پر روانہ ہوئے۔ ابھی کوٹ مٹھن (سندھ) میں تھے کہ دارِ فانی سے دار البقا کو سدھارے۔ خلاصۃ المدارج، فقہ محمدی اور مخزن الفرائض اُن کی تالیفات ہیں۔

۲۔ حافظ غلام احمد (م ۱۲۹۰ھ)

۳۔ مفتی غلام سرور لاہوری (م ۱۳۰۷ھ)[۱]



۱؎ ان کا مفصل تذکرہ کتاب میں شامل ہے۔

غلام محمد بگوی

مفتی غلام محمد بگوی بن مولانا غلام محی الدین بگوی ۱۲۵۵ھ/۱۸۳۹ء میں بگہ میں پیدا ہوئے۔ علوم متداولہ کی تحصیل اپنے والد ماجد سے کی۔

حج بیت اللہ کے موقع پر حضرت شاہ عبدالغنیؒ (م ۱۲۹۶ھ) کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور سلسلۂ نقشبندیہ میں منسلک ہوئے۔ ان کی رحلت پر خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ سے وابستہ ہو گئے۔ حضرت فقیر محمد تیراہی سے بغایت خاطر تعلق تھا۔ چنانچہ صاحبزادہ باولی شریف ضلع گجرات والے فرمایا کرتے تھے کہ:

"بابا جی نے جو کچھ آپ کو دیا کسی دوسرے کے حصے میں نہیں آیا"[۱]

مولانا احمد الدین بگوی کی علیحدگی پر ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء میں شاہی مسجد لاہور کے امام مقرر ہوئے۔[۲] موصوف بہت بڑے عالم اور واعظ تھے۔ اُس دور کی اکثر کتابوں پر ان کی تقریظیں اور فتاویٰ پر تصدیقی دستخط ملتے ہیں۔ لاہور کی معاشرتی اور علمی زندگی میں ان کا نمایاں مقام تھا۔

۴ر جمادی الاخریٰ ۱۳۱۸ھ/۳۰ر ستمبر ۱۹۰۰ء کو واصل بحق ہوئے۔ مادۂ تاریخ

بجھا ہے پنجاب کا چراغ آفتاب

۱۳۱۸ھ

ہے قبرستان میانی صاحب میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔

مفتی غلام محمد بگوی مرحوم کی تحریرات میں سے اکثر فتاویٰ انجمن مستشار العلماء لاہور نے

۱؎ حدائق الحنفیہ ص ۴۸۷

۲؎ بادشاہی مسجد لاہور ص ۳۲

"فتاویٰ صابریہ" کے نام سے شائع کیے ہیں۔

اُن کے دو نامور صاحبزادے مولوی محمد رفیق بگوی (م ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۵ء) خطیب جامع مسجد بگہ اور مولانا محمد شفیق بگوی تھے۔

غلام محمد چکوالی

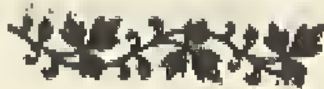
مولانا غلام محمد بن غلام رسول ۱۲۸۲ھ/۶۶-۱۸۶۵ء میں چکوال ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ اُنھوں نے ابتدائی دینی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی۔ بعد میں مولانا برہان الدین چکوالی سے استفادہ کیا۔ تکمیلِ علم کے لئے سہارنپور کا سفر کیا اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل ہوئے۔ اُن کے اساتذہ میں مولانا احمد حسن کانپوری اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری جیسے فضلائے روزگار کے نام ملتے ہیں۔

درس و تدریس میں زندگی بسر کی۔ وسیع المطالعہ عالم تھے۔ اہلِ علم نے بکثرت اُن سے استفادہ کیا۔ ۱۳۲۵ھ/۰۸-۱۹۰۷ء میں فوت ہوئے۔[1]

مولانا غلام محمد چکوالی کی علمی یادگاروں میں حسبِ ذیل معروف ہیں:

۱۔ شرح متین متین (نحو)

۲۔ حاشیہ علی حاشیۃ القاضی مبارک (منطق)



---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۲۵۰

غلام محمد گھوٹوی

مولانا غلام محمد گھوٹوی راجپوت کنگ برادری کے چشم و چراغ تھے۔ ۱۸۸۶ء/۱۳۰۴ھ
گجرات کے نواحی قصبے گرالی میں پیدا ہوئے۔ خاندان کی گزر بسر کھیتی باڑی پر تھی۔ انہوں
قصبہ کھیوال کے پرائمری سکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد چکوڑی
ضلع گجرات) میں مولانا محمد چراغ سے فارسی اور صرف و نحو کی کتابیں پڑھیں۔ اُن
خاندان والوں کا ارادہ تھا کہ وہ اپنے آبائی پیشہ کو اپنا لیں اور گھر سے باہر مسجدوں
مکتبوں میں نہ پڑے رہیں مگر اُن کی لگن تھی کہ وہ خاندان والوں کو بتائے بغیر چکوڑی
گھوٹہ (ضلع ملتان) منتقل ہو گئے اور مولانا حافظ محمد جمال گھوٹوی کے سامنے
تلمذ تہہ کیا۔ کافیہ ابن حاجب سے لے کر قطبی اور میبذی تک کتابیں اُن
پڑھیں۔ بعد میں اُستاد محترم گھوٹوی کے ارشاد پر مولانا سیّد غلام حسین کی
میں موضع تلیری (ضلع مظفر گڑھ) حاضر ہوئے۔ کچھ عرصہ یہاں رہ کر موضع چکی
ضلع اٹک) میں مولانا محمد زمان کے پاس پہنچے۔ یہاں بھی زیادہ عرصہ مقیم نہ رہے
مدرسہ نعمانیہ لاہور میں داخل ہو گئے۔ حافظ غلام احمد حافظ آبادیؒ کی نگرانی میں علمیات
دیاضی کی تکمیل کی۔ یہاں سے مولانا احمد حسن کانپوری (م ۱۳۲۲ھ) سے استفادہ
لیے کانپور گئے دو سال اُن سے ادبِ عربی اور معقولات کی بعض کتابیں پڑھیں۔
وفات پر مولانا فضل حق رامپوری (م ۱۳۵۸ھ) کے درس میں شریک رہے۔
ح ستہ اور کتبِ طب مولانا وزیر حسن رامپوری سے پڑھیں۔
فارغ التحصیل ہوتے تو مدرسہ عالیہ رامپور میں مدرس ہو گئے۔ تین سال کے بعد
نا حافظ محمد جمال گھوٹوی نے انہیں گھوٹہ بُلا لیا اور وہ یہاں آ گئے۔ بیس سال گھوٹہ

اُن کے علم و فضل کی بدولت مرجع طلبہ رہا۔ گھوٹہ میں آنے کے تیرہ سال بعد وطن مالوف
گئے۔ اہلِ خاندان نے بہت کوشش کی کہ وہ گرالی آ جائیں مگر انہوں نے یہ کہہ کر
گرالی میں سکونت اختیار نہ کی کہ جس گاؤں کی سکونت اللہ کی راہ میں ترک کر دی تھی، اب
وہاں قیام موزوں نہیں۔

سابق ریاست بہاولپور میں جامعہ عباسیہ بہاولپور (حال اسلامیہ
یونیورسٹی) کی بنیاد رکھی گئی تو اس کی کرسیٔ صدارت کے لیے نواب بہاولپور کی نگاہ مولانا
غلام محمد گھوٹوی پر پڑی چنانچہ ۲۵ جون ۱۹۲۵ء/۳ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ کو انہوں نے بحیثیت
شیخ الجامعہ، جامعہ عباسیہ، ریاست کی ملازمت اختیار کی۔ تقریباً بائیس سال
اسی عہدۂ جلیلہ پر فائز رہ کر ۲۸ فروری ۱۹۴۷ء/۷ ربیع الآخر ۱۳۶۶ھ کو سبکدوش
ہوئے۔

[مولانا غلام محمد اپنے علم و فضل کی بنا پر علماء کے ہر طبقے میں عزت و احترام کی نگاہ
سے دیکھے جاتے تھے۔ علمائے دیوبند سے اُن کے اچھے روابط تھے اور اُن سے
خط و کتابت رکھتے تھے۔ ۱۹۱۱ء میں حج کے لیے روانہ ہوئے۔ بمبئی سے جہاز میں
سوار ہونا تھا۔ راستے میں دیوبند گئے اور مولانا محمود حسن سے ملے۔ سماعِ موتیٰ
کے مسئلہ پر دونوں بزرگوں کا اختلاف تھا مگر مولانا محمود حسن نے بھرپور اپنائیت
کا اظہار کیا۔]

فتنۂ قادیانیت کے تعاقب میں نہایت سرگرم تھے۔ اہلِ سنت مناظرین کے
موجد بڑھاتے تھے۔ مشہور مقدمہ بہاولپور میں انہوں نے اہم کردار ادا کیا تھا۔

مولانا غلام محمد سیاسی طور پر ابتداءً انڈین نیشنل کانگرس سے وابستہ تھے
اور ملتان ڈویژن کے صدر تھے بعد میں مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور تحریکِ پاکستان
کے لیے دامے، درمے، قدمے، سخنے کام کیا۔

مولانا گھوٹوی ابتدائی زمانۂ تعلیم میں پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کے دامنِ الفت سے وابستہ ہو گئے تھے۔ مولانا محمد چراغ چکوڑویؒ پیر صاحب کے ارادت مند تھے اور پیر مہر علی شاہ مرحوم سیال شریف جاتے ہوئے چکوڑی میں قیام کرتے تھے۔ ایسے ہی ایک سفر میں پیر صاحب نے مولانا غلام محمد کے بارے میں کلماتِ تحسین کہے کہ "طالب علم ہونہار دکھائی دیتا ہے"۔ چنانچہ مولانا، پیر صاحب سے بیعت ہو گئے۔

مولانا غلام محمد ۸ر مارچ ۱۹۴۸ء/ ۲۷ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ کو بہاولپور میں فوت ہوئے اور قبرستان ملوک شاہ میں دفنائے گئے۔ لواحقین میں دو صاحبزادے مولانا عبدالحئی چشتی اور مولانا حافظ غلام احمد ہیں۔

مولانا گھوٹوی کا حلقۂ تلامذہ بہت وسیع ہے۔ کم و بیش پینتالیس سال تعلیم و تدریس سے وابستہ رہے۔ سینکڑوں افراد نے استفادہ کیا ہوگا۔ چند اہم نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا مہر محمد اچھروی مدرس مدرسہ فتحیہ اچھرہ
۲۔ مولانا محمد ذاکر بانی جامعہ محمدی شریف۔ جھنگ
۳۔ علامہ رحمت اللہ ارشد بہاولپوری
۴۔ پیر ولایت شاہ گجراتی
۵۔ مولانا محمد اسماعیل سجادہ نشین موسیٰ زئی شریف
۶۔ مولانا عبدالرزاق سجادہ نشین خیرپور
۷۔ مولانا حافظ محمد شفیع مہتمم مدرسہ قاسم العلوم ملتان
۸۔ مفتی محمد امین بہاولپور



غلام محمد جلوانوی

مولانا غلام محمد بن میاں محمد فاضل راجپوت سدیانہ برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۸۹۳ء/ ۱۱-۱۳۱۰ھ کے لگ بھگ چک نمبر ۱۹۱ گ۔ب مخدوماں ضلع فیصل آباد میں پیدا ہوئے۔ ساتویں جماعت میں پڑھتے تھے کہ سید شیر محمد شاہ گیلانیؒ (متوطن فتح پور گوگیرہ، ضلع ساہیوال) کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور اٹھارہ برس تک ان کی خدمت میں رہے۔ علوم دینیہ کی تحصیل ان ہی سے کی۔

مولانا غلام محمد جلوانوی قصبہ جلوانہ ضلع فیصل آباد میں مقیم رہے اور اصلاح معاشرہ و تبلیغ دین میں مصروف رہے۔ موصوف ابن عربی (م ۶۳۸ھ) کے زبردست مداح تھے اور اُن ہی کے انداز پر صوفیانہ خیالات رکھتے تھے۔ مولانا غلام محمد تریسٹھ سال کی عمر میں ۴ر شوال ۱۳۷۵ھ/ ۱۵ر مئی ۱۹۵۶ء کو جلوانہ ضلع فیصل آباد میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے۔ اُن کی اولاد میں چار صاحبزادے۔ محمد انوار حسین، محمد نیاز حسین، محمد افتخار حسین اور محمد اعجاز حسین ہیں۔

مولانا غلام محمد مرحوم کی حسب ذیل تصنیفات معلوم ہو سکی ہیں۔

۱۔ اسرار المقطعات و رموز المتشابہات
۲۔ تحقیق العارفین فی حقیقت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم
۳۔ رسالہ نور الایمان فی علم القرآن
۴۔ نورِ ولایت
۵۔ دیوانِ عشق
۶۔ پیامِ جلوی
۷۔ ملیحۃ النبی (نعت بزبان فارسی)
۸۔ وصالِ باکمال سید شیر محمد شاہ گیلانی
۹۔ کمالِ جلوی

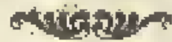
۱۰۔ رموز الوحدت (پنجابی۔ منظوم)

۱۱۔ وصال نامہ (سید قطب علی شاہ)

۱۲۔ تعلیم توحید و دقیق علوم

۱۳۔ الاسرار الالٰہیہ من الفتوحات المکیہ

مولانا غلام محمد کے ملفوظات "اسرار التوحید المعروف بہ ملفوظاتِ جلوی" کے نام سے ترتیب دیئے گئے ہیں۔



غلام محمد ترنّم

مولانا غلام محمد ترنّم بن عبد العزیز ۱۹۰۰ء/ ۱۳۱۷ھ میں امرتسر کے ایک غریب کشمیری گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی دینی تعلیم مولانا نابینا (م ۱۳۳۵ھ)[1] اور مفتی عبداللہ کاشمیری (م ۱۳۴۹ھ) سے حاصل کی۔ اس کے بعد قالین بافی اور شالوں پر گل کاری کے فن سیکھے اور کئی سال اس پیشہ سے وابستہ رہے۔ تحصیلِ علم کا طبعی شوق انہیں جناب محمد حسین عرشی[2] کے پاس لے گیا۔ عرشی صاحب نے اپنے علمی مشاغل کے پیشِ نظر انہیں حکیم فیروز الدین فیروز طغرائی (م ۱۳۴۹ھ) کے پاس پہنچا دیا۔ حکیم طغرائی سے شعر و شاعری میں اصلاح کے ساتھ منشی فاضل کا نصاب پڑھ کر امتحان میں بیٹھے اور کامیابی حاصل کی۔ اگلے سال ادیب فاضل کا امتحان بھی پاس کر لیا۔ حکیم طغرائی کے فیضِ صحبت نے انہیں "ترنّم" بنایا اس سے پہلے "اصغر" تخلص کرتے تھے۔

ادب و شعر کے راستے دینیات کی طرف متوجہ ہوئے۔ مولانا محمد عالم آسی (م ۱۳۶۳ھ) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ مولانا آسی سے اپنے تعلقات کے بارے میں لکھتے ہیں:

"میرے اور حضرت آسی کے تعلقات غلام (ترنّم) اور آقا (آسی) کے تھے اور وہ ازراہِ کرم میرے پاس کبھی کبھی تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میں غیر حاضر تھا تو وہ یہ شعر لکھ کر رکھ گئے ؎

۱؎ مولانا عبدالرحیم نابینا اسلامیہ کالج امرتسر میں زبان و ادبیاتِ عربی کے پروفیسر تھے اور مولانا ترنّم کے بہنوئی تھے۔ ۲؎ مدیر "البیان" و "دینا نیج" امرتسر

چوں غریب دردمندے بدرت رسیدہ باشد
چہ قدر تپیدہ باشد چو ترا ندیدہ باشد

چند دن بعد دوبارہ تشریف لائے اور میں پھر بھی نہ مل سکا تو وہ یہ شعر لکھ کر ڈال گئے ع

طریق ترنم الاشعار صعبٌ
طویلٌ فی طویلٍ فی طویلٍ[1]

فن طب کی کتابیں حکیم حاجی محمد علی (گوجرانوالہ) حکیم محبوب عالم اور حکیم فتح چند سے پڑھیں۔ لاہور کے نامور طبیب حکیم شہزادہ غلام محمد سے اصول مطب سیکھے۔[2]

مولانا کا ذریعہ معاش پہلے تو تجارت تھا لیکن بعد میں درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔ مسلم ہائی سکول شریف پورہ امرتسر میں دینیات کے مدرس تھے اور فارغ اوقات میں مطب کرتے تھے۔ دینی و تبلیغی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور اس راہ میں ایثار و قربانی میں کبھی پیچھے نہ رہتے تھے۔ ہال بازار امرتسر میں السنۂ شرقیہ کی تعلیم کے لیے ایک ادارہ "جامعہ اسلامیہ" کی بنیاد رکھی۔ جامعہ میں خود کم ہی پڑھاتے تھے۔ دوسرے مدرسین کی مستقل خدمات حاصل کی ہوئی تھیں۔ جامعہ امرتسر کے نوجوانوں میں عربی و فارسی زبانوں کا ذوق پیدا کیا۔

امرتسر میں مولانا ترنم کی شہرت ایک مدرس اور خطیب کی تھی۔ عوام میں خاصے مقبول تھے۔ مولانا ظفر علی خان امرتسر گئے تو اُن کے بارے میں کہا ع

... ترنم چاند ہے اس شہر میں علم اور حکمت کا
درخشاں اس کے ہالے ہیں مسلمانانِ امرتسر[3]

۱؎ مکتوب بنام حکیم محمد موسیٰ امرتسری ماہنامہ "فیض الاسلام" (راولپنڈی) بابت جنوری ۱۹۹۰ء ۲؎ مولانا غلام محمد ترنم ص ۱۰ ۳؎ چمنستان ص ۸۵

برصغیر کی تقسیم کے بعد لاہور آ گئے۔ یہاں اُن کی دینی و تبلیغی سرگرمیاں اور بڑھ گئیں۔ جامع مسجد سول سیکرٹریٹ میں جمعہ کا خطبہ دیتے تھے جو رحلت آخرت سے چھ ماہ پہلے تک جاری رہا۔ مولانا ترنم نے جب خطبہ جمعہ شروع کیا تو یہ مسجد محض ایک جھونپڑا تھی۔ اُن کی کوششوں سے موجودہ رفیع الشان عمارت تعمیر ہوئی۔

سیکرٹریٹ کے باغیچے میں انگریزی دور کی یادگار سنگ مرمر کی ایک صلیب تھی۔ سیکرٹریٹ میں داخل ہوتے ہی اس پر نظر پڑتی تھی۔ مولانا ترنم نے ایک خطبے میں مطالبہ کیا کہ صلیب کو باغیچے سے ہٹا دیا جائے۔ گورنر پنجاب اور چیف سیکرٹری کو توجہ دلائی گئی مگر "روایتی دفتریت" کے باعث صلیب نہ ہٹائی گئی۔ دوسرے جمعہ کو مولانا نے اعلان کر دیا کہ اگر آئندہ جمعہ تک یہ صلیب نہ ہٹی تو میں خود کدال لے کر سیاہ دل انگریز کی یہ یادگار ہمیشہ کے لیے زمین بوس کر دوں گا۔ اُن کے اس اعلان کا یہ اثر ہوا کہ مقررہ میعاد سے پہلے انگریزی دور کی یہ یادگار ختم ہو گئی۔

مولانا ترنم تحریک پاکستان کے سرگرم ہم نواؤں میں سے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد انھوں نے پاکستان کے بنیادی مقصد اسلامی نظام حیات کے احیاء کے لیے کام شروع کیا۔ جمعیت العلمائے پاکستان کے قیام میں اہم کردار ادا کیا۔ پہلے صوبہ پنجاب کے صدر تھے بعد میں کل پاکستان تنظیم کے نائب صدر چنے گئے۔ وہ جمعیۃ کے ذہین اور معاملہ فہم لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔

سماجی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے ساتھ ساتھ پنجاب یونیورسٹی کے فیلو تھے۔ آل پاکستان ایورویدک اینڈ یونانی طبی کانفرنس کے روح رواں تھے۔

مولانا ترنم نقشبندی سلسلہ طریقت میں پیر جماعت علی شاہ علی پوری سے بیعت تھے۔ اس کے علاوہ سید علی حسین شاہ چشتی نظامی سے بھی اکتساب فیض کیا تھا۔

مولانا ترنم ذیابیطس کے مریض تھے اسی بیماری میں ۱۷ محرم ۱۳۷۹ھ / ۲۴ جولائی ۱۹۵۹ء کو لاہور میں فوت ہوئے۔ قبرستان میانی صاحب میں دفنائے گئے۔ پیر غلام دستگیر نامی مرحوم نے حسب ذیل قطعات تاریخ کہے ع

غلام محمد ہوئے آہ فوت — وفات اُن کی ہے ایک عالم کی موت
جو تاریخ مطلوب نامی ہوا ہے تو — "ہوا فوت عذب البیان ہے" کہو

۱۳۷۹ھ

غلام محمد کی نامی وفات — ترنم پیا کی خط تیغ ہے
"غلام محمد طبیب اجل — جہاں سے گئے" آہ تاریخ ہے

۱۳۷۹ھ

ملک نصر اللہ خان عزیز مرحوم نے ان کی رحلت پر حسب ذیل تعزیتی شذرہ لکھا جس میں اُن کے سیرت و کردار پر عمدہ طریقے سے روشنی ڈالی ہے:

"مولانا غلام محمد ترنم سے پہلی مرتبہ امرتسر میں تعارف ہوا تھا۔ وہ اسم بامسمی اور اپنے تخلص کا عملی نمونہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی پر انہیں فخر تھا اور بڑے خوشنوا بیان واعظ تھے۔

پاکستان آنے کے بعد بھی اُن کے دینی اور ملی مشاغل میں فرق واقع نہ ہوا۔ دستور اسلامی کے حامی تھے اور سیکرٹریٹ کی مسجد کے خطیب ہونے کے باوجود اسی مسجد کے منبر سے اُس وقت تک حق بات کہتے تھے جب کہ وقت کی حکومتیں اس بات کو پسند نہیں کرتی تھیں۔

مسلک کے اعتبار سے بریلوی تھے مگر مرنجاں مرنج اور مسلکی اختلافات

ؔ ماہنامہ "فیض الاسلام" راولپنڈی بابت جنوری ۱۹۶۰ء

کو خوش طبعی اور بذلہ سنجی سے ٹال جاتے تھے۔ قادیانی ایجی ٹیشن میں سیفٹی ایکٹ کے تحت نظر بند رہے۔ وہاں سے نکلنے کے بعد بھی اُن کے دم خم میں فرق نہیں آیا تھا۔ ہر فن مولا تھے۔ واعظ، مدرس، سیاسی کارکن، خطیب، طبیب، عالم، عامی سب کچھ تھے جس محفل میں بیٹھتے، اسے کشت زعفران بنا دیتے۔ اللہ تعالے اُن کی مغفرت فرمائے، اُن کی خطاؤں سے درگزر اور اُن کی نیکیوں کا اجر جزیل عطا فرمائے آمین"[1]

مولانا ترنم کی حسب ذیل کتابیں معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ دستور پاکستان

چالیس صفحات کا یہ مقالہ مرحوم نے صدر جمعیت علمائے پاکستان صوبہ پنجاب کی حیثیت سے جمعیت کی سالانہ کانفرنس منعقدہ ۱۰، ۱۱، ۱۲ دسمبر ۱۹۵۰ء میں پڑھا تھا۔ بعد میں کتابی صورت میں طبع ہوا۔

۲۔ مقدمہ و حواشی "بطل حریت"۔ مشہور انگریز مصنف تھامس کارلائل کے لیکچروں کے ترجمہ پر مقدمہ اور حواشی تحریر کئے ہیں۔ حواشی میں کارلائل کی غلط فہمیوں پر گرفت کی ہے۔

۳۔ الجہاد

۴۔ غذائی چارٹ

ان کے علاوہ متفرق مضامین اور نعتیہ کلام یادگار ہے۔ بطور نمونہ کلام چند نعتیہ اشعار نقل کئے جاتے ہیں:

کیا کہے گا دلِ ناداں تجھے سودا کیا ہے!
وہ اگر پوچھ لیں تجھ سے کہ تمنا کیا ہے

[1] بحوالہ ماہنامہ "فیض الاسلام" راولپنڈی بابت جنوری ۱۹۶۰ء

ہی سے راہنمائی حاصل کی جاتی تھی۔ کتبِ فقہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ ان کے فتاویٰ پر دارالعلوم دیوبند کے مفتی کے تائیدی دستخط ملتے ہیں۔ علمائے دیوبند سے عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ بدعات اور شرکانہ عقائد سے سخت متنفر تھے اور احیائے سنت کی تڑپ رکھتے تھے۔

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے ہاتھ پر سلسلۂ چشتیہ میں بیعت کی تھی۔ مہمان نواز، بُردبار اور مجلسی شخصیت کے مالک تھے۔ طویل علالت کے بعد ۱۳ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ / ۲۹ ستمبر ۱۹۶۶ء کو جھنڈیال میں فوت ہوئے۔ وہیں عام قبرستان میں مدفون ہیں۔

مولانا قاضی غلام محمد کی علمی یادگاروں میں سے "مجموعہ فتاویٰ" ہے جو تین جلدوں میں مرتب ہے۔ تاحال زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہو سکا۔ فارسی، اُردو اور پنجابی میں شعر کہتے تھے اور "غلام" یا "غلام محمد" تخلص کرتے تھے۔ اُن کی اکثر منظومات دلچسپ ہیں اور زبان پر قدرتِ کاملہ کا نمونہ ہیں۔

فارسی زبان کے قواعد کی تدریس میں بطورِ خاص دلچسپی لیتے تھے۔ ایک نظم میں ماضی مطلق سے فعل مضارع بنانے وقت جن حروف کا ایک دوسرے سے رد و بدل ہوتا ہے اُن کی تفصیل بیان کی ہے۔ تاریخ گوئی سے دلچسپی تھی اور کئی اہم مواقع پر قطعاتِ تاریخ کہے۔ مولانا احمد خان میروی کی رحلت پر طویل مرثیہ لکھا جس کے چند اشعار مولانا میروی کے تذکرہ میں نقل کئے گئے ہیں۔ مرحوم کا ایک شعر ہے ؎

سن گرچہ کمتر از ہمہ اولادِ آدمم　　　　فخرم ہمیں بس است غلامِ محمدم

مولانا مرحوم کے چار صاحبزادے ہیں اور اوّل الذکر تین اپنے اپنے حلقۂ اثر میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

۱۔ مولانا حافظ محمد عبدالحق

۲۔ مولانا محمد سیف الرحمان

۳۔ مولانا حافظ محمد ظہور الحق

۴۔ مولانا منشی محمد فیض عالم۔ عین عالمِ شباب میں انتقال کر گئے۔

☆☆☆☆☆

غلام محمود پپلانوی

مولانا غلام محمود بن نورنگ بن محمد باقر ۱۲۸۲ھ/۶۶-۱۸۶۵ء میں واں بھچراں ضلع میانوالی میں پیدا ہوئے۔ مقامی مکتب میں حافظ محمد مرزا سے قرآن مجید حفظ کیا۔ مولانا سلطان محمود بندیالویؒ اور مولانا فیض محمد (ساکن خواجہ جال ملتان) سے صرف و نحو کی تکمیل کی۔ مدرسہ نعمانیہ لاہور میں زیر تعلیم رہے اور مولانا غلام احمد حافظ آبادی سے اکتساب فیض کیا۔ کچھ عرصہ مولانا لطف اللہ علی گڑھی سے استفادہ کیا آخر میں دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث کیا۔ مولانا محمود حسنؒ کے شاگردوں میں مولانا انور شاہ کاشمیریؒ ذہانت و فطانت اور تبحر علمی کی وجہ سے اپنی مثال آپ تھے۔ مولانا غلام محمود، مولانا انور شاہ کے ہم درسوں میں سے تھے۔ اور ذہین ترین طلبہ میں شمار ہوتے تھے تاہم شاہ صاحب کی وسعتِ مطالعہ اور علمی مقام کے معترف تھے۔ انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ،

"دورانِ درس ایک مرتبہ ہمارے استاد صاحب تقریر کر رہے تھے اور اس موضوع پر بطور خاص میری معلومات کا پورے دیوبند میں چرچا تھا۔ حضرت شاہ صاحب کی اس موضوع پر چنداں شہرت نہ تھی۔ چنانچہ استاد صاحب نے اپنی تقریر درمیان میں روک کر شاگردوں سے رائے طلب کی....... میں جی میں بہت خوش ہوا کہ آج میں انور شاہ صاحب کے مقابلے میں بہت بہتر تقریر کروں گا چنانچہ میں نے عرض کیا کہ پہلے شاہ صاحب اپنے دلائل بیان کر لیں تو میں بعد میں عرض کروں گا۔

استاد کے حکم سے شاہ صاحب نے تقریر شروع کی.... میرے

ذخیرۂ علم میں جو سب سے قوی اور قیمتی دلیل تھی جس کے بارے میں مجھے ناز تھا کہ میری ہی ذہنی فتوحات کی وہاں تک رسائی ہے۔ شاہ صاحب نے اپنی تقریر کا آغاز خاص اسی دلیل سے کیا اور پھر آئندہ ہر دلیل اس سے بڑھ چڑھ کر پیش کی.... مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا اور میں شاہ صاحب کے علمی تبحر سے مبہوت ہو کر رہ گیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ خزانۂ قدس کے لٹل سر چشمے تک شاہ صاحب کا ذہنی رابطہ ہے ورنہ کسب و کوشش سے اس مقام ارفع تک رسائی ممکن نہیں۔ خواجہ حافظ شیرازی نے کسی بادشاہ کے بارے میں لکھا تھا اور وہ مصرعہ حضرت کاشمیری پر اس طرح چسپاں ہوتا ہے جیسے درحقیقت اُن ہی کے لیے ساحت سدرہ قبل لکھا گیا ہے ع

محل نور تجلیست رائی انور شاہ[1]

۱۳۱۹ھ/۱۹۰۲ء میں فارغ التحصیل ہوئے اور پپلاں (ضلع میانوالی) میں تدریس شروع کی۔ پانچ سال بعد مکھڈ (ضلع اٹک) تشریف لے گئے۔ تین سال وہاں رہے اس کے بعد گلی (ضلع اٹک)، نڑھال (ضلع تلہ گنگ) اور وطن مالوف کے مدارس میں آٹھ نو سال تدریس کی۔ اس کے بعد دوبارہ پپلاں آ گئے اور دارالعلوم محمودیہ میں مصروف تدریس رہے۔

مولانا غلام محمود، پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ سے بیعت تھے اور پیر موصوف سے تعلق خاطر رکھتے تھے۔ موصوف وسیع النظر اور صاحبِ مطالعہ عالم دین تھے۔ درسِ نظامی کے جملہ فنون پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اُن کی تصنیفات میں تحقیق و تدقیق کے

---

[1] بیدار المعظم ص ۲۹۱ - ۲۹۲

اعلیٰ نمونے ملتے ہیں۔

۲۳ ر رمضان ۱۳۶۷ھ / یکم اگست ۱۹۴۸ء کو فوت ہوئے۔ مولانا محمد حسین شوق (فاضل مدرسہ امینیہ دہلی) اُن کے جانشین ہیں۔ مولانا غلام محمود کی چند تصنیفات یہ ہیں:

۱۔ نجم الرحمان بحکم قرن الشیطان
۲۔ ارمغانِ شاداں (فارسی قواعد)
۳۔ تحفہ سلیمانیہ۔ "تکملہ حاشیہ عبدالغفور علیٰ شرح الجامی" پر حاشیہ ہے۔

مولانا غلام محمود سے سینکڑوں اہلِ علم نے استفادہ کیا۔ اُن کے معروف ترین تلامذہ میں مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی، پیر کرم شاہ بھیروی اور خواجہ غلام سدید الدین مرولوی کے نام آتے ہیں۔

...ت غلام محمود (پیلانوی) کے تمام شاگرد
...سنی۔ مگر دیوبندی بزرگ ان کو دیوبندی
...نے لگے۔

غلام محی الدین بگوی

غلام محی الدین بگوی بن حافظ نور حیات ماہ محرم ۱۲۱۰ھ/۱۷۹۵ء[1] میں موضع بگہ نزد بھیرہ ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ اُن کا سلسلۂ نسب حضرت عکرمہؓ بن عمرو بن ہشام سے ملتا ہے۔ اُن کے اجداد میں سے مولانا عبدالرحمان بن صالح آٹھویں صدی میں پنجاب میں وارد ہوئے۔ مولانا عبدالرحمان کی اولاد میں سے مولانا محمد ہاشم گیارہویں صدی میں دریائے جہلم کے کنارے موضع بگہ میں سکونت پذیر ہوئے۔

مولانا محمد ہاشم کے دو صاحبزادے۔ مولانا محمد صالح اور مولانا محمد یوسف تھے اوّل الذکر کی اولاد نے قصبہ جہاوریاں اور شاہ پور کو مسکن بنایا اور مؤخر الذکر کے اخلاف نے آبائی گاؤں میں حلقۂ اصلاح و ارشاد قائم رکھا۔ مولانا محمد یوسف کے جانشین مولانا میرداد بگوی اور ان کے صاحبزادے حافظ نور محمد بگوی اپنے وقت کے جیّد عالم، متبع سنت اور رسومِ غیر شرعیہ کے شدید مخالف تھے۔ حافظ نور محمد کے جانشین حافظ محمد شفا المعروف بہ شاہ زندہ (م ۱۲۳۲ھ) تھے۔

مولانا غلام محی الدین بن حافظ نور حیات ان ہی حافظ محمد شفا کے پوتے تھے۔ انہوں نے حافظ حسن سے قرآن مجید پڑھا۔ نہایت ذہین و ذکی تھے۔ ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۳ء میں اپنے برادرِ خورد مولانا احمد الدین کو ساتھ لے کر حصولِ علم کے لئے دہلی کا سفر کیا۔ علمِ حدیث کی تحصیل شاہ محمد اسحاق (م ۱۲۶۲ھ) سے کی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ)

---

[1] حدائق الحنفیہ اور تذکرہ علمائے ہند میں سالِ ولادت ۱۲۰۳ھ لکھا ہے مگر صاحبِ ترجمہ کے پوتے مولانا ظہور احمد بگوی مرحوم نے تذکرہ مشائخ بگہ میں خاندانی روایات اور دستاویزات کی روشنی میں سالِ ولادت ۱۲۱۰ھ بتایا ہے۔

سے علوم حدیث کی سند و اجازت حاصل کی۔ شاہ صاحب نے انہیں نصیحت کی تھی:

"ان شاء اللہ آپ سے بڑا فیض ہوگا۔ جب وطن جاؤ تو کوئی ایسی بات نہ کرنا جس سے لوگوں میں تفرقہ پیدا ہو۔"

قیام دہلی کے زمانہ میں شاہ غلام علی نقشبندی مجددی (م ۱۲۴۰ھ) سے بیعت ہوئے۔ علوم دینیہ کی تحصیل کے بعد وطن آ گئے۔ ان کے والد ماجد کا انتقال ہو چکا تھا اور سکھوں کا زمانۂ اقتدار تھا۔ ان کی شہرت سن کر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے وزیر فقیر عزیز الدین (م ۱۲۶۱ھ) بگہ گئے اور انہیں بگہ سے لاہور منتقل ہونے پر آمادہ کیا۔ موصوف لاہور آ گئے اور بازار حکیماں کی "لال مسجد" میں مسند درس سجائی۔ سینکڑوں بلکہ ہزاروں افراد نے ان سے استفادہ کیا۔ قریب تیس سال انہوں نے فرائض تدریس انجام دیئے۔ ان کے چھوٹے بھائی مولانا احمد الدین بھی ان کے ساتھ مصروف تدریس رہے۔

بگوی خاندان کی یہ درس گاہ پنجاب میں ولی اللّٰہی مکتب فکر کی اشاعت کا ذریعہ بنی۔ اس درس گاہ سے فیض اٹھانے والوں میں حافظ ولی اللہ لاہوری، مولانا غلام رسول قلعوی، مولانا شاہ محمد فیروز پوری اور مولانا نور الدین چکوڑوی کے نام نمایاں ہیں۔

زندگی کے آخری سالوں میں بگہ آ گئے اور چودہ سال مرض استسقا میں مبتلا رہ کر ۲ شوال ۱۲۷۳ھ/۲۲ جون ۱۸۵۷ء کو وفات پائی۔ "خورشید عالم" کے الفاظ سے سال وفات نکلتا ہے۔ بگہ میں دفنائے گئے۔

مولانا غلام محی الدین کے دو صاحبزادوں، مولانا غلام محمد بگوی اور مولانا عبدالعزیز بگوی نے خاندانی روایات کو قائم رکھا۔

☆☆☆☆☆☆

غلام محی الدین قصوری

مولانا غلام محی الدین قصوری بن شیخ غلام مصطفیٰ بن شیخ غلام مرتضیٰ ۱۲۰۲ھ/۸۸-۱۷۸۷ء کے لگ بھگ قصور میں پیدا ہوئے تھے۔ نسبی لحاظ سے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کے اجداد میں سے مولانا عبدالملک عہد شاہجہان میں سندھ سے قصور آئے تھے[1]۔ ان ہی عبدالملک کے پوتے شیخ غلام مرتضیٰ، مولانا غلام محی الدین کے دادا تھے۔

مولانا شیخ غلام مرتضیٰ بلند پایہ عالم دین تھے۔ احمد شاہ ابدالی جب پنجاب آیا تو اُس نے جن مقامی علماء سے مذہبی مسائل میں مشورہ کیا اُن میں مولانا غلام مرتضیٰ شامل تھے۔ پنجاب میں سکھا شاہی سے تنگ آکر پشاور ہجرت کر گئے تھے۔ ۱۲۰۰ھ/۸۶-۱۷۸۵ء میں وفات پائی۔

مولانا شیخ غلام مصطفیٰ بھی اپنی خاندانی روایات کے امین تھے۔ مولانا غلام محی الدین کی عمر ایک سال تھی کہ اُن کے والد شیخ غلام مصطفیٰ کا انتقال ہو گیا۔ اُن کے چچا مولانا محمد قصوری نے اُن کی پرورش کی۔ اُن سے علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ اُن کے دوسرے اساتذہ میں ایک نام "مولانا باب اللہ" کا ملتا ہے[2]۔

مولانا غلام محی الدین نے اپنے عم محترم محمد قصوری کے ہاتھ پر قادری سلسلے میں بیعت کی اور اُن کے خلیفہ ہوئے۔ نوجوانی ہی میں اُن کی ذات مرجع خلائق ہو گئی تھی۔

---

[1] انوار محی الدین ص ۱۱

[2] ایضاً ص ۲۳

مولانا قصوری کے بعض اعزہ بانس بریلی میں رہائش رکھتے تھے۔ اُن سے ملنے بانس بریلی گئے اور واپسی پر دہلی میں شاہ غلام علیؒ (م ۱۲۴۰ھ) کی زیارت کے لئے رُک گئے۔ اُن کی محفل میں بیٹھے مگر سلسلۂ ارادت قائم نہ کیا۔ ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء میں اُن کے اوّلین مرشد مولانا محمد قصوری نے رحلت فرمائی تو دوبارہ مولانا شاہ غلام علی کی خدمت میں حاضر ہو کر نقشبندی مجددی طریقہ میں تجدیدِ بیعت کی اور مسلسل گیارہ ماہ ان کے ہاں مقیم رہے۔ ۲۷ رمضان ۱۲۳۳ھ/۳۱ جولائی ۱۸۱۸ء کو مولانا شاہ غلام علی نے اُنہیں اپنا خلیفہ مجاز بنایا اور ایک ماہ بعد خرقۂ خلافت عنایت کیا۔ اُنہوں نے تحریری خلافت نامہ میں مولانا غلام محی الدین قصوری کو "جامع کمالات فضائلِ ظاہر و باطن"[1] کا لقب دیا ہے۔ ۱۲۳۷ھ/۲۲-۱۸۲۱ء میں اُن کا دہلی جانا معلوم ہوتا ہے۔ دہلی کے زمانۂ قیام میں تزکیۂ نفس اور ریاضت و عبادت کے ساتھ ساتھ شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ) سے سندِ حدیث حاصل کی۔

مولانا غلام محی الدین نے قصور میں دینی و علمی خدمات انجام دیں۔ مولانا شاہ غلام علی (م ۱۲۴۰ھ) کی رحلت کے بعد تیس سال مسندِ دعوت و ارشاد پر فائز رہے۔ اُن سے خلق کثیر نے استفادہ کیا تھا۔ اپنے ارادت مندوں کی اصلاح و تربیت کے لئے سال میں ایک دو بار پنجاب کے اکثر اضلاع کا دورہ کرتے تھے۔ اُن کی گفتگو صوفیانہ شطحیات سے مطلق طور پر پاک ہوتی تھی۔ اتباعِ شریعت ہر حال میں پیشِ نظر رکھتے تھے۔

مولانا غلام محی الدین ۱۲ ذی قعدہ ۱۲۷۰ھ/۱۶ اگست ۱۸۵۴ء کو فوت ہوئے اور قصور میں دفنائے گئے۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے حسبِ ذیل قطعۂ تاریخ کہا ہے:[2]

آں شاہ مولانا غلام محی الدین — مرشدِ دین، رہبرِ ہر خاص و عام

ملفوظات شریفہ ص ۵۳

[2] حدیقۃ الاولیاء ص ۱۴۶

وا و ساقی از دل و دوست اُو — از شرابِ معرفت پُر کردہ جام
چوں بہ دُنیا آمد آں مردِ سخی — بخشش آمد سالِ تولیدش تمام
۱۲۰۲ھ

مرشدِ حق متقی ہم گفتہ ام — نیز گر دستم رقم شیخ الکرام
۱۲۰۲ھ — ۱۲۰۲ھ

ہست خورشیدِ معلّیٰ رحلتش — ذاتِ حقّانی است ہم نیک نام!
۱۲۷۰ھ

فیضِ فقر است و دگر شیخِ رفیع — سالِ وصلِ آں فقیرِ نیک نام
۱۲۷۰ھ — ۱۲۷۰ھ

کن بیاں تاریخ منظورِ جہاں — ہم بخواں ابرِ سخاوت والسلام
۱۲۷۰ھ — ۱۲۷۰ھ

مولانا غلام محی الدین کی اولاد میں ایک صاحبزادے حافظ عبدالرسول اور دو صاحبزادیاں تھیں۔

سلسلۂ طریقت میں اُن کے خلفاء کی تعداد کافی زیادہ ہے۔ چند اہم نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا غلام نبی للّٰہی
۲۔ مولانا غلام مرتضیٰ بیربلوی
۳۔ مولانا حافظ نور الدین چکوڑوی
۴۔ مولانا غلام دستگیر قصوری
۵۔ مولانا حافظ عبدالرسول قصوری (فرزند و جانشین)
۶۔ مولانا محمد صالح کنجاہی

مولانا غلام محی الدین نے عوام کی اصلاح و ہدایت کے ساتھ ساتھ تصنیفی و

تالیفی خدمات انجام دیں۔ اُنہوں نے ایک عمدہ اور تحقیقی کتب خانہ فراہم کیا تھا جس کا معتدبہ حصّہ دستبردِ زمانہ کی نذر ہو گیا۔ اُس کا بچا کھچا حصّہ کتب خانہ گنج بخش مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد میں محفوظ ہے۔ موصوف کی حسبِ ذیل کتابیں ملتی ہیں۔ ان میں اوّل الذکر تینوں مطبوعہ ہیں۔

۱۔ تحفۂ رسولیہ (فارسی منظوم) مناقب و معجزات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲۔ ملفوظاتِ شریف (فارسی نثر) شاہ غلام علی (م ۱۲۴۰ھ) کے ملفوظات۔

۳۔ خطباتِ حضوری۔ مجموعہ خطباتِ عیدین و جمعہ

۴۔ رسالہ علم المیراث (عربی نثر)۔ نسخہ خطی مخزونہ کتب خانہ گنج بخش اسلام آباد

۵۔ زادالحاج (پنجابی منظوم) نسخہ خطی مخزونہ ذخیرہ شیرانی۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ نسخۂ دیگر کتب خانہ سیّد محمد طیب ہمدانی۔ قصور

۶۔ رسالۂ نظامیہ (فارسی منظوم) مسئلہ وحدت الوجود پر لکھا گیا ہے۔ نسخہ خطی مخزونہ کتب خانہ مولوی محمد شفیع لاہور و نسخۂ دیگر کتب خانہ سیّد محمد طیب ہمدانی۔ قصور

۷۔ سلالۃ المرورہ فی تجویز اسمار المشہورہ (فارسی نثر) مولانا محمد خرم علی بلہوری کی تردید میں ہے جس میں غلام محی الدین، عبدالرسول اور عبدالنبی نام رکھنے کا جواز پیش کیا گیا ہے۔ نسخۂ خطی مخزونہ کتب خانہ گنج بخش، اسلام آباد

۸۔ حلیۂ مبارک حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ نسخہ خطی ذخیرہ شیرانی پنجاب یونیورسٹی لاہور

۹۔ دیوانِ حضوری (فارسی و پنجابی)

۱۰۔ اسرار الحقیقت مخزونہ کتب خانہ موسیٰ زئی شریف۔ ڈیرہ اسماعیل خان[۱]

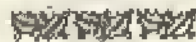
۱۱۔ بیاض ـــــ مخزونہ کتب خانہ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع لاہور

---

[۱] کتاب خانہ ہای پاکستان ص ۱۷۷

[۲] فہرست مخطوطات شفیع ص ۱۹۷

۱۲۔ مکتوبات۔ مولانا غلام محی الدین قصوری کے مکتوبات کا اچھا خاصا ذخیرہ ملتا ہے۔ شاہ غلام علی دہلوی اور دیگر احباب کے نام مکتوبات کا مجموعہ اُنہوں نے "مکاتیبِ طیبہ" کے نام سے مرتب کیا تھا۔ اُن کے خلفاء مولانا غلام نبی للہی، مولانا محمد صالح کنجاہی اور مولانا غلام محمد کے نام قابلِ ذکر مکتوبات ملتے ہیں۔



پیر سید غلام محی الدین گولڑوی

پیر سید غلام محی الدین بن پیر سید مہر علی شاہ دسمبر ۱۸۹۱ء / ۱۳۰۹ھ میں پیدا ہوئے والدین کے اکلوتے صاحبزادے تھے۔ تربیت و تعلیم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔ انہوں نے قاری عبدالرحمان جونپوری سے قرأت و تجوید کی مشق کی اور جامعہ غوثیہ گولڑہ میں مولانا محمد غازیؒ سے علوم مروجہ کی تحصیل کی پیر سید مہر علی شاہ اُن کی تعلیم کا خاص خیال رکھتے تھے۔ ایک خط میں انہیں تاکید کرتے ہیں:

"سب گھروں اور مہمانوں کی خبرگیری رکھنا۔ جمعہ و جماعت کا التزام سب سے اپنے استاد صاحب کا حسبِ ہدایت خیال رکھنا۔ اُن کی ضروریات کو قبل از وقت مہیا رکھنا۔ اُن کی صحت کا خیال چاہیئے نہ صرف اپنے سبق اور مطلب کا۔ ایسا ہی جناب قاری صاحب کی خبرگیری رکھو یعنی کوئی وطنی ناتراشیدہ حسبِ عادت اہلِ وطن پیش آنے نہ پاوے۔"[1]

گولڑہ بستی کے قریب سے ریلوے لائن گزرتی ہے اور جنکشن ہونے کی وجہ سے کافی گاڑیاں آتی جاتی ہیں۔ آج سے ستر اسی سال پہلے بچوں کے لیے ریلوے انجن میں وہی دلچسپی تھی جو آج جمبو جیٹ میں ہو سکتی ہے۔ پیر صاحب اپنے ہم جولیوں کے ساتھ وقت گزارنے ریلوے سٹیشن آ جاتے تھے۔ "ریلوے انجن" کی دلچسپی اُن پر اس قدر حاوی ہو گئی کہ گھر میں ریلوے سگنل کی طرح کا ایک سگنل نصب کر دیا۔ سید پیر مہر علی شاہؒ نے اُن کی دلچسپی دیکھتے ہوئے انہیں "بابو جی" کہا اور یہی خطاب،

[1] مہر منیر ص ۳۶۳

نام کی جگہ حاصل کر گیا۔ ایک دفعہ کسی دوست نے ان سے "ریلوے انجن" سے لگاؤ کا سبب دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا:

"مجھے اس کی چار ادائیں بہت پسند ہیں:

ایک تو اس کا حوصلہ کہ جتنی زیادہ آگ ڈالو اُتنا ہی زیادہ تیز چلتا ہے۔ دوسرے اس کی وفا کہ اس کے ساتھ خواہ فرسٹ کلاس کا ڈبہ لگا دو یا مال گاڑی کا چھکڑا۔ جہاں خود جائے گا اپنے ساتھیوں کو بھی وہیں لے جائے گا۔ تیسرے ایثار کہ خود جلتا ہے مگر دوسروں کو نفع پہنچاتا ہے یعنی منزلِ مقصود پر لے جاتا ہے اور چوتھے استقامت کہ اپنی متعینہ راہ (لائن) پر ہی چلتا ہے۔ بے راہ روی اختیار نہیں کرتا۔"[1]

پیر سید مہر علی شاہؒ کے ہاتھ پر سلسلۂ چشتیہ میں بیعت کی اور انہوں نے اجازتِ بیعت و خلافت سے سرفراز کیا۔ ابتداء میں اُن کی زندگی میں لوگوں کو مرید نہیں بناتے تھے مگر پیر سید مہر علی شاہؒ کی تاکید پر بیعت لینے لگے۔

کئی بار ارضِ حجاز گئے اور حج کی سعادت حاصل کی۔ اس کے علاوہ افغانستان ترکی اور مشرقِ وسطیٰ کے اکثر ممالک کی سیاحت کی۔ وہاں کے روحانی خانوادوں سے رابطہ قائم کیا اور اولیائے کبار کے مقابر پر حاضری دی۔

پیر صاحب خیّر، منکسر مزاج اور ملنسار بزرگ تھے۔ ۲۲ جون ۱۹۷۴ء / یکم جمادی الاخریٰ ۱۳۹۴ھ کو کمبائنڈ ملٹری ہسپتال راولپنڈی میں فوت ہوئے۔ گولڑہ میں اپنے والد ماجد کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

انہوں نے اپنی زندگی میں سلسلہ چشتیہ کی ترویج و اشاعت میں بھرپور کام کیا۔

[1] ایضاً ص ۳۶۶ - ۳۶۷

جامعہ غوثیہ گولڑہ کی تعمیر و ترقی پر پوری توجہ دی۔ کتب خانہ میں قیمتی اور نادر کتابوں کا اضافہ کیا اور پیر سید مہر علی شاہ کی تصنیفات کی اشاعت کا انتظام کیا۔

پیر صاحب مرحوم کی اولاد میں دو صاحبزادے۔ شاہ غلام معین الدین صاحب اور شاہ عبد الحق صاحب ہیں۔ اول الذکر صاحب سجادہ ہیں۔

غلام محی الدین احمد مکھڈی

مولانا غلام محی الدین[۱] بن میاں محمد بن حافظ محمد محسن کے آبا و اجداد موضع "مقو باغرم خان" تحصیل تلہ گنگ ضلع اٹک سے مکھڈ منتقل ہوئے تھے۔ وہاں غلام محی الدین احمد اغلباً ۱۲۷۵ھ/ ۱۸۵۸-۵۹ء میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں یتیم ہو گئے اور دادا حافظ محمد محسن نے ان کی تربیت کی۔ مولوی محمد قاسم (ساکن بھوڑ نزد فتح جنگ ضلع اٹک)، مولوی خورشید لنگڑیالی، حافظ عبد اللہ، چھاچھی اور مولانا خان محمد ریحانی سے علوم دینیہ کی تحصیل کی۔

خواجہ محمد سلیمان تونسوی سے تعلق بیعت و ارادت رکھتے تھے۔ ۱۲۹۵ھ میں اُن کے نانا خواجہ زین الدین مکھڈی کا انتقال ہوا تو خواجہ اللہ بخش تونسوی نے اُن کی دستار بندی کی۔ خواجہ تونسوی نے بھی انہیں اپنا خلیفہ نامزد کیا اور بیعت کی اجازت دی۔ ۱۲۹۹ھ میں خواجہ تونسوی کی معیت میں فریضۂ حج ادا کیا۔

غلام محی الدین احمد کی زندگی میں "مدرسہ مولوی صاحب" (محمد علی مکھڈی) کی رونق میں اضافہ ہوا۔ تشنگانِ علوم دینیہ دُور و نزدیک سے مکھڈ آتے اور اپنی پیاس بجھاتے تھے۔ وہ خود مدرسہ کے مہتمم اور صدر مدرّس تھے۔ اُنھوں نے مولانا محمد علی مکھڈی کے ذخیرۂ کتب میں معتد بہ اضافہ کیا۔ مدرسہ سے الگ عمارت تعمیر کرائی اور کتابوں کو ترتیب سے الماریوں میں رکھوایا۔

ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۰ء کو وفات پائی اور مکھڈ میں تدفین عمل میں آئی۔[۱] اُن کے پس ماندگان میں تین صاحبزادے تھے۔

---

[۱] تذکرۂ الصدیقین ص ۱۰۵-۹۷ (ملخص)

۱۔ غلام زین الدین

۲۔ احمد الدین

۳۔ محمد الدین مؤلف "تذکرۃ الصدیقین"

☆☆☆☆☆

حافظ غلام مرتضیٰ

حافظ غلام مرتضیٰ بن حافظ حمّاد بن مولانا حسام الدین چیلاوا ہن احا صل پور، ضلع ملتان میں پیدا ہوئے۔ اُنھوں نے مولانا خدا بخش ملتانی ثم خیر پوری اور مولانا محمد موسیٰ ملتانی کی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کی۔ مولانا خدا بخش اُن کی ذہانت اور جذب و شوق کی وجہ سے اُن پر خصوصی نگاہ شفقت رکھتے تھے۔

فارغ التحصیل ہو کر اپنی بستی "چیلاوا ہن" میں درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔ بعد میں ترک سکونت کر کے سابق ریاست بہاولپور میں آ گئے اور خیر پور کے نواح میں ایک نئی بستی کی بنیاد رکھی، اس کا نام بھی "چیلاوا ہن" مشہور ہوا۔

برادر بزرگ مولانا حافظ غلام حبیبؒ (خلیفہ خواجہ نور محمد مہارویؒ) سے بیعت کی اور ان سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

۳۰ ذی الحجہ ۱۲۵۴ھ / ۱۲ مارچ ۱۸۳۹ء کو وفات پائی۔[۱] ان کے چند اہم شاگرد یہ ہیں:

۱۔ مولانا محمد اکمل (فرزند) ۲۔ مولانا محمد افضل (فرزند)

۳۔ مولانا حافظ نور جہانیاں ۴۔ مولانا غلام فخر الدین

---

[۱] سہ ماہی "الزبیر" (۳) بابت اگست ۱۹۶۱ء

غلام مرتضیٰ نقشبندی

مولانا غلام مرتضیٰ نقشبندی موضع بھیلن ضلع شیخوپورہ میں ۱۸۱۳ء/۱۲۲۸ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ بعد میں ترک سکونت کر کے موضع قلعہ لال سنگھ تحصیل شرقپور آ گئے اور اس نسبت سے "غلام مرتضیٰ قلعہ والے" مشہور ہوئے۔

مولانا غلام مرتضیٰ نے ابتدائی تعلیم بہاول پور میں حاصل کی۔ چوہنگ (ضلع قصور) کے مولانا بدرالدین کے ہاتھ پر بیعت کی اور علوم مروجہ کی تحصیل کی۔ جید عالم اور ذاکر و شاغل بزرگ تھے۔ دینی خدمات کی بجاآوری کے ساتھ کھیتی باڑی کرتے تھے۔

۱۸۵۵ء/۷۲-۱۲۷۱ھ میں عثمان گنج بیرون شیرانوالہ دروازہ لاہور آ گئے۔ ایک خانقاہ تعمیر کی اور اپنی جائیداد خانقاہ کے اخراجات کے لئے وقف کر دی۔ چند سال بعد خانقاہ کے ساتھ ہی مدرسہ شروع کیا اور خود ہی تدریس کرتے تھے۔

۲۱ فروری ۱۹۰۳ء/ ۲۲ ذی قعدہ ۱۳۲۰ھ کو فوت ہوئے۔ عثمان گنج میں مدفون ہوئے۔

ان کے خلفاء میں پیر نور محمد (فرزند) پیر محمد صوبا (م ۱۳۶۵ھ) کے نام قابل ذکر ہیں۔

غلام مرتضیٰ بیربلوی

مولانا غلام مرتضیٰ بن محمد اسلم ۱۲۵۱ھ/۳۶-۱۸۳۵ء میں ضلع سرگودہا کے گاؤں بیربل شریف میں پیدا ہوئے۔ خاندان میں علمی و دینی روایات چلی آ رہی تھیں۔ مولانا محمد اسلم عالم و فاضل شخص تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں صاحبزادے کی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

مولانا غلام مرتضیٰ نے بچپن ہی میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ تیرہ سال کے تھے کہ ان کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ حصول علم کے لیے مختلف مقامات پر تشریف لے گئے مگر ابھی حسب منشا خاطر حاصل نہ ہوئی۔ آخر تلہ شریف ضلع جہلم میں مولانا غلام نبی للّٰہی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں درس نظامی کی تکمیل کی۔

مولانا غلام محی الدین قصوری سے شرف بیعت رکھتے تھے اور ان کے خلفائے مجاز میں شامل تھے۔ انہیں کتابوں سے بے پناہ لگاؤ تھا۔ رات گئے تک مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔ ایک اچھا کتب خانہ فراہم کیا تھا جس میں تفسیر و حدیث اور تصوف کا عمدہ ذخیرہ جمع ہو گیا تھا۔ بیربل شریف ان کے دم قدم سے طلبہ دین و عرفان کا مرکز بن گیا تھا۔

آخری عمر میں مرض فالج میں مبتلا ہوئے۔ ایک پہلو بالکل بے حس ہو گیا تھا مگر کوئی نماز قضا نہ ہونے دی۔ ۱۵ رجب ۱۳۲۱ھ/ ۷ اکتوبر ۱۹۰۳ء کو وفات پائی اور اپنی تعمیر کردہ مسجد کے جنوبی جانب مدفون ہوئے۔

مولانا غلام مرتضیٰ فقہ حنفی پر گہری نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے بے شمار فتاویٰ لکھے جو تا حال مرتب نہیں ہوئے۔ ان کے قلم سے [illegible] اہم کتابیں نکلی ہیں:

۱۔ رسالہ مختصر نزہت الناظرین مع شرح روش الریاحین

۲۔ تحفۃ العارفین وہدایۃ السالکین

۳۔ تذکرۃ الحسنات۔

۴۔ رسائل در فضائل رمضان وعیدین

۔ مصباح الدجیٰ اور اس کی شرح شمس الضحیٰ (علم حدیث)

مولانا مرحوم کی اولاد میں تین صاحبزادے تھے۔

۔ خواجہ احمد سعید (جانشین)

۔ خواجہ محمد سعید

۔ مولانا غلام رسول

مولانا مرحوم کے ارادت مندوں کا حلقہ خاصا وسیع ہے۔ اُن کے خلفا سے مجاز
احمد حسن سرہندی اور مولانا محمد سلیم دہلوی کے نام نمایاں ہیں۔



سیّد غلام مصطفےٰ نوشاہی

سیّد غلام مصطفےٰ بن حافظ سیّد محمد شاہ بن سیّد محمد امین، خانوادہ نوشاہی کے فرزند تھے۔
جمادی الاخریٰ ۷، ۱۳۰۷ھ/ ۱۸، فروری ۱۸۹۰ء کو ساہن پال ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی
ت کی تحصیل اپنے والد بزرگوار سے کی۔ بارہ سال کی عمر میں پرائمری سکول پنڈی کالو ضلع گجرات
ل ہو گئے۔ تین سال میں پرائمری تعلیم مکمل کر لی اور شیخ احمد حنفی (م ۱۳۲۸ھ) ساکن ڈھریکا
جرات کے درس میں شامل ہو گئے۔ صرف و نحو، منطق اور فقہ کی تحصیل وہیں سے کی۔
علم الدین (ساکن اگرویہ) سے علم تجوید کی مشق کی۔ قاضی محمد امین فاروقی (م ۲۴، جمادی الاخریٰ
ھ) سے بھی چند سے تعلیم پائی۔

اپنے والد ماجد سے سلسلہ قادریہ نوشاہیہ میں بیعت کی اور اُن کی رحلت کے بعد
کو رونق بخشی، عربی فارسی، اُردو اور پنجابی میں شعر کہتے تھے۔ اور "نوشاہی" تخلص
تے تھے۔

۱۸، شوال م ۱۳۸۴ھ/ ۲۱، فروری ۱۹۶۵ء کو واصل بحق ہوئے اور ساہن پال کے گورستان
یہ میں مدفون ہوئے۔ مرحوم کی مندرجہ ذیل تالیفات کے خطی نسخے کتب خانۂ نوشاہیہ
ن پال میں محفوظ ہیں[1]۔

۔ ترجمہ کریما (پنجابی نثر)
۔ ترجمہ نام حق (" ")
۔ ترجمہ پندنامہ — شیخ عطار (پنجابی نثر)
۔ ترجمہ گلستان

---

[1] تذکرہ نوشہ گنج بخش ص ۱۶۸-۱۶۹

۵۔ فیض محمد شاہی المعروف انوار نوشاہی (دو جلدیں)
۶۔ تفسیر نوشاہی (سورۃ مزمّل)
۷۔ خطبات نوشاہی
۸۔ مکتوبات نوشاہی
۹۔ رقعات نوشاہی
۱۰۔ دیوان نوشاہی
۱۱۔ پنج گنج نوشاہی
۱۲۔ نوشاہی نامہ
۱۳۔ رسالہ رفع سبابہ
۱۴۔ رسالہ طاعون
۱۵۔ رسالہ الخواص۔ شجرۂ طریقت ہے اور مشائخ سلسلہ کے مختصر حالات ہیں۔
۱۶۔ مجالس نوشاہی (ضیاء العارفین) مرتبہ شریف احمد شرافت نوشاہی۔
۱۷۔ ملفوظات نوشاہی (کنز المعرفت) ۴ جلدیں مرتبہ شریف احمد شرافت نوشاہی۔
۱۸۔ معمولات نوشاہی (ہدایۃ السالکین) مرتبہ " " "
۱۹۔ ملفوظات نوشاہی (کنز الفوائد) مرتبہ بشارت نوشاہی
۲۰۔ عیون التواریخ
۲۱۔ نصائح ضروری (منظوم)

مرحوم کے دو لڑکے ہوئے:

۱۔ سیّد ابوالظفر شریف احمد شرافت نوشاہی مؤلف "شریف التواریخ"
۲۔ سیّد ابوالرضا بشیر احمد بشارت نوشاہی (م ۱۳۸۱ھ)

☆☆☆

غلام نبی للّہی نقشبندی

مولانا غلام نبی بن قاضی حسن دین للہ شریف، ضلع جہلم میں ۱۲۳۴ھ/۱۹-۱۸۱۸ء میں
علمی خاندان میں پیدا ہوئے۔ قاضی حسن دین اپنے وقت کے اچھے عالم تھے۔ مولانا
غلام نبی نے اپنے والد سے صرف و نحو پڑھی۔ بعض دوسرے اساتذہ سے بھی استفادہ
کیا۔ طلب علم کے لیے پشاور کا سفر کیا اور مولانا محمد حسن معروف بہ حافظ دراز (م ۱۲۶۲ھ)
سے علوم مروجہ کی تکمیل کی اور سند فراغ حاصل کی۔

فارغ التحصیل ہو کر للہ شریف میں مسند تدریس کو رونق بخشی۔ عموماً اسی نوے طلبہ
استفادہ کرنے کے لیے ہر وقت حاضر رہتے تھے۔ ان میں مبتدی بھی ہوتے اور منتہی
بھی۔ مولانا موصوف سب کو ایک سے جذبہ و شوق سے پڑھاتے تھے۔

مولانا غلام محی الدین قصوری سے نقشبندی سلسلے میں مجاز تھے۔ نرم خو، خوش خلق
اور خندہ جبیں شخصیت کے مالک تھے۔ قرآن مجید نہایت اہتمام اور ترتیل سے پڑھتے
تھے۔ مولانا غلام محی الدین قصوری کے زیر تربیت تھے کہ قرآن مجید حفظ کرنے کا شوق
پیدا ہوا چنانچہ چھ ماہ میں قرآن مجید یاد کر لیا۔

۲۱ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ/۲۶ نومبر ۱۸۸۸ء کو فوت ہوئے اور للہ شریف میں دفن ہوئے
نماز جنازہ مولانا غلام مرتضیٰ بیر بلوی نے پڑھائی تھی۔ مرحوم سے سینکڑوں افراد نے
فیض اٹھایا۔ ان کے چند فیض یافتہ (جنہیں خلافت و اجازت بھی حاصل ہے)
افراد یہ ہیں:

۱۔ مولانا دوست محمد جانشین۔ م ۱۳۱۷ھ؛

۲۔ مولانا غلام مرتضیٰ بیر بلوی

۳۔ مولانا غلام حسن ساکن ڈھوڈیاں

مولانا غلام نبی سے کوئی تالیف یادگار نہیں البتہ ان کے مرید صادق مولانا محمد حسن
مؤلف "حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ" نے یکم محرم ۱۲۹۸ھ تا رجب ۱۳۰۰ھ کے ملفوظات
مرتب کیے ہیں۔ تاہم ان کی یادگاروں میں سے ایک اہم یادگار ان کا جمع کردہ ذخیرۂ کتب
ہے جس میں "اسلامیات" کا وقیع حصہ ہے۔

غلام یٰسین

مولانا غلام یٰسین واں بھچراں ضلع میانوالی کے رہنے والے تھے۔ وہ ایک غریب خاندان
چشم و چراغ تھے۔ ابتدائی کتب میانوالی اور سرگودھا کے مدارس عربیہ میں پڑھ کر دارالعلوم دیوبند
اور سندِ فراغ حاصل کی۔

۱۹۱۸ء تا ۱۹۲۲ء چار سال بھوپال کے ایک مدرسہ میں ملازمت کی۔ وہاں سے واپس
آئے اور مدرسہ مظفریہ واں بھچراں میں درس و تدریس کرنے لگے۔ یہ زمانہ اُن کے علمی
کا تھا۔ سینکڑوں فقہی جزئیات اُن کے نوکِ زبان تھیں۔ منطق و فلسفہ کے فنون میں
مشہور ہوئے کہ دُور دراز سے طلبا استفادہ کے لئے آتے تھے۔

مدرسہ مظفریہ سے مستعفی ہو کر اپنے گھر کے نزدیک مسجد میں درس جاری کیا مگر بڑے
کے متمولین اُن کو اپنے ہاں لے جاتے اور اس طرح گاؤں کا سلسلہ تدریس منقطع ہو
آخری دنوں میں مدرسہ سراج العلوم سرگودھا میں پڑھا رہے تھے کہ ۱۹ رمضان المبارک
ھ/۱۸ مارچ ۱۹۶۰ء کو داعی اجل کا بلاوا آگیا۔

مرحوم نے تین لڑکے اور تین لڑکیاں یادگار چھوڑیں۔ لڑکوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ مولانا خلیل الرحمان
۲۔ مولانا رشید احمد
۳۔ مولانا بشیر احمد

☆☆☆☆☆

غوث بخش اوچی

مولانا غوث بخش بن محمد بخش بن خدا بخش کی ولادت اوچ شریف میں ہوئی۔ وُہ
نسباً حضرت معروف کرخی (م ۲۰۰ھ) کے اخلاف میں سے تھے۔ اُن کے باپ دادا
سلسلۂ عالیہ چشتیہ سے منسلک تھے۔ اُن کے دادا خدا بخش، خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی
(م ۱۱۴۲ھ) کے مرید تھے اور اُن کے والد بابا جان خواجہ فخر الدین دہلوی (۱۱۹۹ھ) سے
تعلقِ ارادت رکھتے تھے۔

خاندان کے اکثر افراد طبابت پیشہ تھے چنانچہ انہوں نے بھی فنِ طب میں مہارت
حاصل کی۔ دینیات، فلسفہ اور طب میں اُن کی خاصی شہرت تھی۔ مولانا گل محمد احمد پوری
اُن کے بھانجے تھے۔ اوچ کے گیلانی اور بخاری خانوادے اُن کو عزت و احترام
کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ نواب بہاول خان ثالث اُن کے مرتبہ شناس تھے۔

مولانا غوث بخش اوچ شریف میں فوت ہوئے اور خانقاہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت
کے احاطے میں ہمیشہ کی نیند سو رہے ہیں۔ اُن کی تالیفات میں سے "تحفۂ غوثیہ"
دو جلدوں میں ملتی ہے جو ادویہ اور اُن کے خواص پر ایک عمدہ تالیف ہے۔ اس
کا ایک خطی نسخہ نواب صاحب بہاولپور کے کتب خانے کی زینت ہے۔[1]

---

[1] اولیائے بہاولپور ص ۱۶۵-۱۶۶

فتح الدین اذبر

مولانا فتح الدین اذبر بن حکیم میاں غلام محمد ۱۲۸۵ھ/۱۸۷۷ء میں خوشاب ضلع سرگودھا میں متولد ہوئے۔ وہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن جعفر کی اولاد میں سے تھے۔

خوشاب میں ابتدائی تعلیم حاصل کی، پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ مسجد مولویاں لاہور میں دینی تعلیم حاصل کی۔ آخر میں حیدرآباد دکن جاکر مولانا انوار الحق کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور سند فراغ حاصل کی۔ مولانا انوار الحق ان کی قابلیت و ذہانت و سعادت مندی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنی صاحبزادی کا عقد نکاح ان سے کردیا۔

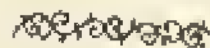
مولانا فتح الدین اذبر طب میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ میر عثمان علی خان نظام حیدرآباد کے ابتدائی دور میں شاہی طبیب اور قاضی القضاۃ تھے۔ دس سال ان مناصب جلیلہ پر فائز رہے بعد میں ایک ناخوشگوار واقعہ کے نتیجہ میں حیدرآباد سے وطن مالوف خوشاب آگئے۔

۱۷ شوال ۱۳۴۴ھ/۱۲ جنوری ۱۹۲۶ء کو فوت ہوئے۔ مسجد حافظ خان محمد کے شمالی جانب چاردیواری میں ان کی ابدی آرام گاہ ہے۔ مرحوم متبحر عالم، حق گو مبلغ اور صاحب قلم تھے۔ جناب عبدالحکیم شرف قادری صاحب نے ان کی حسب ذیل تصانیف کا ذکر کیا ہے:

۱۔ مقدمہ تفسیر روح القرآن (مطبوعہ امرتسر ۱۳۴۲ھ)
۲۔ تفسیر روح القرآن فی تشریح آیات القرآن (مطبوعہ حیدرآباد)
صرف پہلے پارہ کی تفسیر ہے۔
۳۔ الوفد الاسلامیہ (مطبوعہ کانپور ۱۳۵۱ھ)

۴۔ شرح ترکیب دیباچہ گلستان مع حواشی (مطبوعہ لاہور ۱۳۲۶ھ)
۵۔ کتاب العطایا (میراث)
۶۔ تحفۃ المیراث (")
۷۔ تقسیم انوار الفرائض (")
۸۔ ترجمہ و حاشیہ دلائل الخیرات (اوراد)
۹۔ رسالہ مفتاح الدلائل (")
۱۰۔ قرار الانوار و مرادات الاسرار (عملیات)
۱۱۔ شجرہ ولایت الشہداء
۱۲۔ صفوۃ المصادر العربیہ معروف بہ صرف اذبر
۱۳۔ کتاب الصرف المعروف بہ صرف کبیر

مولانا فتح الدین اذبر سے بہت سے افراد نے علمی استفادہ کیا۔ ان کے نامور تلامذہ میں مولانا غلام مرشد سابق خطیب شاہی مسجد لاہور کا نام بہت نمایاں ہے۔



فتح محمد اچھروی

مولانا ابوالحسنات فتح محمد بن میاں امام دین اچھرہ (لاہور) کے رہنے والے تھے۔ بچپن میں چیچک میں مبتلا ہوئے اور نور بصارت سے محروم ہو گئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور علوم دینیہ کی تحصیل کی۔

مولانا فتح محمد زندگی بھر دین حقہ کی تبلیغ و تدریس میں مشغول رہے۔ اچھرہ کی مسجد میں ایک دارالعلوم کی بنیاد رکھی جو ان کے نام کی مناسبت سے جامعہ فتحیہ مشہور ہے۔ یہ مدرسہ ان کی تدریس سے خاصا مشہور ہوا۔

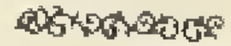
معاصر علمائے اہلسنت سے ان کے اچھے مراسم تھے۔ میاں شیر محمد شرقپوری اور رئیس المتوکلین شاہ اسماعیل (م ۱۳۱۵ھ) سے تعلق خاطر رکھتے تھے۔ سلسلۂ نقشبندیہ میں خواجہ عبدالرسول قصوری سے بیعت تھے اور ان کے خلیفۂ مجاز بھی تھے۔

۲۹ شوال ۱۳۳۵ھ / ۱۸ اگست ۱۹۱۷ء کو وفات پائی۔ لوح مزار پر مولانا اصغر علی روحی کے حسب ذیل اشعار کندہ ہیں:

امام عاشقاں فتح محمد — کہ در عشق پیمبر بود یکتا
احب الصالحین وکان منہم — فقال القوم صدقا اجمعینا
ولم بات العلا ما دام حیا — لیوم یجعل الولدان شیبا
صدائے ارجعی در گوش افتاد — بعہد قرب حق شد مسند آرا
بسال عزم رحلت گفت روحی — بجنت رفت و با حق باد مولا

۱۳۳۵ھ

مولانا مرحوم سے چند رسائل یادگار ہیں جن میں "صلوٰۃ القرآن بر متابعت ...ب الرحمان" زیادہ مشہور ہے جو مولوی عبداللہ چکڑالوی کی تردید میں لکھا تھا۔



فتح محمد بہاول نگری

مولانا فتح محمد بن بہاول خان بن عزیز خان موضع حبیب کے (بہاول نگر) کے باشندے تھے۔ ۱۳۰۲ھ/۸۵-۱۸۸۴ء کے قریب پیدا ہوئے۔ انہوں نے مولانا سلطان محمود حصاری (مولانا سلطان محمود افغانی اور مولانا سلطان محمود مدرس مدرسہ فتح پوری دہلی) سے علمی استفادہ کیا۔ مدرسہ معینیہ اجمیر میں مولانا معین الدین اجمیری (م ۱۳۵۹ھ) کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ سند حدیث مولانا عبدالعلی محدث (مدرس مدرسہ عبدالرب دہلی) سے ۲۴ ذی قعدہ ۱۳۳۰ھ کو حاصل کی۔

مولانا فتح محمد نے پنجاب کے مختلف مقامات پر تدریس کے فرائض انجام دیے۔ صادق گنج ضلع بہاول نگر میں ایک عرصہ مقیم رہے۔ اس کے بعد چھوں جیگن (ضلع ساہیوال)، لکھنڈ پیر (ضلع بہاول نگر) اور بہاول نگر میں دینی و تبلیغی کام کیا۔ غالباً ۱۳۴۰ھ میں مدرسہ مفتاح العلوم بہاول نگر کی بنیاد رکھی، جو اُن کی نگرانی اور تدریس میں تیزی سے ترقی کر رہا تھا کہ ۱۰ دسمبر ۱۹۶۹ء/۳۰ رمضان ۱۳۸۹ھ کو پیغامِ اجل آگیا۔

مولانا فتح محمد صوفی منش عالم دین تھے۔ خواجہ عبدالحلیم چشتی (خلیفہ مولانا غلام رسول توگیروی) سے بیعت تھے اور اُن کی جانب سے مجاز بیعت تھے۔

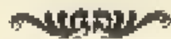
مولانا فتح محمد اچھا شعری ذوق رکھتے تھے، اور خود فارسی، عربی اور پنجابی میں شعر کہتے تھے۔ اُن سے ایک تصنیف "ادب در وحدتِ وجود و وحدتِ شہود" یادگار ہے جو تاحال زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہوئی۔



۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھرپور کردار ادا کیا تھا۔ جلسوں میں تقاریر کیں۔ جلوسوں کی قیادت کی اور اس راہ میں سنّتِ یوسفی بھی ادا کی۔

۷ رشوال ۱۳۹۲ھ/۱۴ نومبر ۱۹۷۲ء کو صبح آٹھ بجے دل کا شدید دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ اگلے دن بھوئی گاڑ میں دفنائے گئے[1]

مولانا حسن الدین ہاشمی (استاد جامعہ اسلامیہ، بہاولپور) مرحوم کے فرزندِ ارجمند ہیں۔



[1] ملخص از ضیائے حرم، بابت نومبر ۱۹۷۳ء

فریدالدین

مولانا فرید الدین بن احمد الدین بن امیر حمزہ اعوان ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں موضع بھوئی گاڑ ضلع اٹک کے ایک علمی خاندان میں پیدا ہوئے۔ اُن کا سلسلۂ نسب حضرت محمد بن حنفیہ کے واسطے سے حضرت علی المرتضیٰ رض سے ملتا ہے۔

قرآن مجید اور ابتدائی درسی کتابیں برادرِ بزرگ مولانا حبیب النبی سے پڑھیں۔ بعض کتابیں مثلاً حمد اللہ شرح سلم العلوم والدِ ماجد سے پڑھیں۔ تکمیلِ تعلیم کے لیے مولانا مشتاق حسین کانپوری م ابن مولانا احمد حسن کانپوری کی خدمت میں کانپور حاضر ہوئے۔ مولانا مشتاق حسین کانپوری کانپور سے جامعہ نعیمیہ مراد آباد اور وہاں سے میرٹھ منتقل ہوئے تو مولانا فرید الدین بھی اپنے استاد کے ہمراہ مراد آباد اور میرٹھ چلے گئے۔ واپس وطن آکر کتبِ حدیث برادرِ بزرگ سے پڑھیں اور اُن ہی سے سندِ حدیث حاصل کی۔

تقریباً ۱۳۵۰ھ/۳۲-۱۹۳۱ء میں علومِ متداولہ کی تحصیل سے فارغ ہوگئے اور ہجاروالا ضلع فیصل آباد کے ایک دینی مدرسہ میں ابتدائی طور پر تدریس کا آغاز کیا۔ کچھ عرصہ بعد وطن مالوف بھوئی گاڑ آگئے۔ اُن کے اندازِ تدریس اور تبحرِ علمی کے پیشِ نظر اکثر مدارسِ دینیہ کے کارپردازوں کی خواہش رہتی تھی کہ وہ اُن کے مدارس کی مسند کو رونق بخشیں چنانچہ جامعہ غوثیہ گولڑہ، جامعہ ... یہ بھیرہ، جامعہ رضویہ ہارون آباد، دارالعلوم کھنڈ، دارالعلوم ترگ شریف اور دارالعلوم لالہ موسیٰ میں پڑھاتے رہے۔

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ سیاسی تحریکوں سے چنداں دلچسپی نہ تھی۔ وہ مزاجاً مدرّس تھے اور تقریباً بیالیس سال تدریس کی۔ سبق ہمیشہ باقاعدہ مطالعہ کر کے پڑھاتے تھے اور طلبہ کو اس امر کی تلقین کرتے تھے کہ سبق پڑھنے کے لیے باقاعدہ مطالعہ کر کے آیا کریں۔

فضل علی قریشی

[مو]لانا فضل علی قریشی بن فرزند علی قریشی ۱۲۷۰ھ/۵۴-۱۸۵۳ء میں داؤد خیل میں پیدا ہوئے۔
[...] قمرالدین سے کتبِ درسیہ کی تحصیل کی اور دورۂ حدیث مولانا احمد علی محدث سہارن پوری
[...] ۱۲۹۰ھ) سے پڑھا۔

[...] بھائیوں کے ساتھ داؤد خیل سے ترکِ سکونت کر کے ضلع مظفر گڑھ آئے اور حکومت سے
[...]ہ لے کر کاشتکاری شروع کی۔ ان کی کوششوں سے جنگل ہی لہلہاتے ہوئے کھیتوں میں
[...]لا بلکہ "مسکین پور" کے نام سے ایک بستی آباد ہوگئی۔

مولانا فضل علی قریشی نے ابتداء میں مولانا سید لعل شاہ ساکن ڈیرہ شاہ بلاول سے بیعت
[...]ت کے وصال کے بعد موسیٰ زئی شریف گئے اور خواجہ سراج الدین (م ۲۲ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ)
[...]ھ پر تجدیدِ بیعت کی۔ موصوف اچھے خوشنویس تھے۔ خواجہ سراج الدین مرحوم کی خطو
[...]ت اُن ہی کے ذمے تھے۔

علمائے دیوبند کی خدماتِ دینیہ کے قدرداں تھے۔ ایک دفعہ دیوبند گئے تو مولانا حسین احمد
[...] (م ۱۳۷۷ھ) قاری محمد طیب اور دوسرے اکابرِ دیوبند نے عزت و احترام کا سلوک
[...]وبند سے دہلی آئے اور مفتی کفایت اللہ (م ۱۳۷۲ھ) کے مدرسہ امینیہ تشریف لے
[...]رقِ باطلہ کے خلاف علمائے دیوبند کا ساتھ دیا۔ ایک بار سید عطاء اللہ شاہ بخاری
[...] تقریر قادیان جا رہے تھے۔ وہ مولانا فضل علی کو باصرار ساتھ لے گئے چنانچہ قادیان
[...]ہی کی صدارت میں تحفظِ ختمِ نبوت کے جلسے ادھیڑے گئے۔

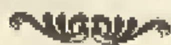
مولانا فضل علی کا ذریعہ معاش کاشتکاری تھا۔ خود ہل چلاتے اور فارغ اوقات میں
[...] و ارشاد کے فرائض انجام دیتے تھے۔ مہمان نواز، ایثار پیشہ اور متواضع بزرگ
[...] کوئی مہمان بے وقت آجاتا تو اپنا کھانا بھجوا دیتے اور خود صبر و شکر کر لیتے

تھے۔[1] موصوف کو تمباکو سے نفرت تھی اور ان کی توجہ کاملہ کا اثر تھا کہ بیعت ہونے والا شخص اگر تمباکو پینے یا کھانے کا عادی ہوتا تو وہ اس بُری عادت سے توبہ کر لیتا تھا۔[2]

یکم رمضان ۱۳۵۴ھ/۲۸ نومبر ۱۹۳۵ء کو مسکین پور میں واصل بحق ہوئے اور وہیں مزار ہے۔ مرحوم کے ۷۰ خلفائے عظام کی فہرست جناب محمد عبدالمالک صدیقی نے مرتب کی ہے
ان میں سے مندرجہ ذیل نے علمی و دینی میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

۱۔ مولانا عبدالغفور عباسی مدنی
۲۔ مولانا محمد عبدالمالک صدیقی ساکن احمد پور شرقیہ
۳۔ مولانا حسین علی قریشی (مسکین پور)
۴۔ مولانا محمد عبداللہ مرحوم (بھلی شریف)
۵۔ خواجہ محمد سعید قریشی (م ۱۳۶۲ھ)

مولانا فضل علی کے پسماندگان میں تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔



---

[1] تجلیات ص ۲۲
[2] تحفۂ زاہدیہ ص ۲۸
[3] تجلیات ص ۳۶-۳۸

فقیر اللہ نیازی

مولانا فقیر اللہ نیازی بن مولانا غلام محمد نیازی ۱۸۹۲ء/۱۰-۱۳۰۹ھ میں قلعہ سوبھا سنگھ ضلع سیالکوٹ کے ایک علمی خاندان میں پیدا ہوئے۔ مولانا غلام محمد نیازی جیّد عالم اور سلسلۂ قادریہ نوشاہیہ کے اہم فرد تھے۔ انہیں خواجہ سچیار نوشاہیؒ سے ارادت و محبت تھی۔

مولانا فقیر محمد نیازی کی رسمِ بسم اللہ خواجہ سچیار نوشاہی نے ادا کی۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والدِ محترم سے حاصل کی۔ بعد میں مدرسہ نقشبندیہ علی پور سیداں، مدرسہ نعمانیہ لاہور اور مدرسہ منظر الاسلام بریلی میں "درسِ نظامی" کا نصاب مکمل کیا۔ پچیس سال کی عمر میں دستارِ فضیلت حاصل کی۔

مولانا فقیر محمد نیازی، پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری کے ارادت مند تھے اور اُن کی تبلیغی و دینی مساعی میں تعاون کرتے تھے۔ تحریکِ خلافت میں انہوں نے اپنے مرشدِ گرامی کی ہدایت پر عمل کیا۔ اس طرح فتنۂ ارتداد کے زمانے میں دعوت و تبلیغ کا کام کیا۔ تحریکِ مسجد شہید گنج میں پیر سید جماعت علی شاہ کے پہلو بہ پہلو رہے۔ اس راہ میں انہوں نے خندہ پیشانی سے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔

قیامِ پاکستان کے بعد سیالکوٹ میں مقیم رہے اور علمی و دینی کام کرتے رہے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوت میں بھرپور حصہ لیا اور جیل گئے۔ راولپنڈی اور سیالکوٹ کی جیلوں میں رہے۔ ۱۳ راگست ۱۹۶۲ء/۱۳ ربیع الاوّل ۱۳۸۲ھ کو ستّر سال کی عمر میں فوت ہوئے اور قبرستان شہیداں سیالکوٹ میں مدفون ہوئے۔



خواجہ فقیر محمد چوروی

خواجہ فقیر محمد بن نور محمد بن فیض اللہ تیراہی بن خان محمد کا سلسلۂ نسب خلیفۂ ثانی حضرت عمر
رق رضہ سے ملتا ہے۔ اُن کی تاریخ ولادت کے بارے میں تذکرہ نگار خاموش ہیں۔ البتہ
ی ولادت خواجہ فیض اللہ تیراہی دم در ربیع الاول ۱۲۲۵ھ کی زندگی میں تیرائی شریف نزد تیراہ
ہوئی تھی۔ اس اعتبار سے موصوف ۱۲۲۵ھ سے پہلے پیدا ہوئے۔

خواجہ فقیر محمد نے علوم دینیہ کی تحصیل والد ماجد سے کی اور اُن ہی کے ہاتھ پر سلسلۂ
بندیہ مجددیہ میں بیعت کی۔ بیس سال کی عمر میں خرقۂ خلافت سے نوازے گئے اور اپنے
ادر اصغر خواجہ دین محمد کے ساتھ اندرون پنجاب کا اصلاحی و تبلیغی سفر کیا۔ دو ماہ کے اس سفر
انہوں نے ضلع گجرات اور ضلع سیالکوٹ میں رشد و ہدایت کی روشنی عام کی۔

خواجہ فقیر محمد کے ذریعہ سلسلۂ نقشبندیہ کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ اُن سے ایک دنیا
نے استفادہ کیا۔ جب کسی شخص کو حلقۂ ارادت میں داخل کرتے تو اُسے "دوست" کہہ کر پکارتے
بوقتِ بیعت ایسے اشعار پڑھتے جن میں تعلق باللہ اور حبِ رسول پر زور ہوتا تھا۔ بعض
موقع پر یہ شعر پڑھتے:

ہر دم خدا را یاد کن، دلہائے غمگین شاد کن!
بلبل صفت فریاد کن، مشغول شو در ذکر ہو

غافلی کفر است پنہان در وجودِ آدمی
این چنیں کافر شدن را حاجتِ زنار نیست

بیان ص ۲۲۳ ...

کبھی کبھی جذب و کیف میں پڑھا کرتے تھے:

ہر چہ در کائنات می بینم | ہمہ را نور ذات می بینم
من کہ در ذاتِ او شدم فانی | کے لبوئے صفات می بینم

۲۹ محرم ۱۳۱۵ھ[1]/ ۵ جولائی ۱۸۹۷ء کو چورہ شریف میں فوت ہوئے اور وہیں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ "مغفرلہ" سے سالِ وفات برآمد ہوتا ہے۔ اُن کے معروف خلفاء کے نام یہ ہیں:

۱۔ سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری
۲۔ سید جماعت علی شاہ ثانی لاثانی
۳۔ صاحبزادہ غلام محی الدین بن مولانا محمد خان عالم (باؤلی شریف)
۴۔ حافظ عبدالکریم (راولپنڈی)
۵۔ مولانا غلام محمد بگوی
۶۔ مولانا محمد حسین پسرورکا
۷۔ خواجہ احمد بخش چوروی (صاحبزادہ)

۱۔ انوار تیراہیہ میں غلطی سے ۱۳۱۹ھ لکھا گیا ہے ص ۲۸۲

فقیر محمد جہلمی

مولانا فقیر محمد جہلمی بن حافظ محمد سفارش ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء میں بمقام "چتن" (ضلع جہلم)
...پیدا ہوئے۔ پانچ چھ سال کی عمر میں گاؤں کی مسجد میں قرآن مجید پڑھنے کے لئے بٹھائے
...ئے۔ ختم قرآن کے بعد میاں قطب الدین (ساکن ماہیا نوالہ) سے فارسی کتابیں پڑھیں۔ اس
...ے بعد مولانا نور محمد[1] (ساکن کھائی کوٹلی۔ ضلع جہلم) سے صرف و نحو، فقہ اور دیگر علوم کی بعض
...بیں پڑھیں۔ اس کے بعد راولپنڈی گئے جہاں مولانا عبدالکریم شاہپوری اور مولانا محمد حسن
...روالا ضلع گوجرانوالہ سے منطق کی تحصیل کی۔

۱۲۷۶ھ/۶۰-۱۸۵۹ء میں دہلی کا سفر اختیار کیا اور مولانا سید نذیر حسین دہلوی کے درس
...حاضر ہوئے۔ انہوں نے منطق و فلسفہ پڑھانے سے معذرت کر دی اور انہیں مولانا محمد شاہ
...ف "مدار الحق" کے سپرد کیا۔ چند دن بعد مولانا مفتی صدر الدین آزردہ (م ۱۲۸۵ھ) کے
...چلے گئے اور ڈیڑھ سال اُن کی خدمت میں رہ کر علمی و دینی استفادہ کیا۔ اواخر ۱۲۷۷ھ/
...ء میں واپس وطن آ گئے۔ یہاں سے لاہور جا کر مولانا کرم الٰہی (م ۱۲۸۲ھ) سے علوم متداولہ
...یل کی۔

لاہور کے زمانہ قیام میں فن خوشنویسی میں مہارت حاصل کی۔ مرزا امام ویردی ایرانی (متوطن
...میاں خان۔ لاہور) اور اُن کے شاگرد صوفی غلام محی الدین سے استفادہ کیا۔ میرا محمد حسین ...
... بھی فن کے رموز سیکھے تھے۔ مطبع ناظر خیر اللہ خان کابلی میں کتابت سے عملی زندگی کا
...۱۸۶۷ء/۸۴-۱۲۸۳ھ میں مطبع آفتاب پنجاب لاہور میں قانونی کتب کی کتابت اور

---

[1] ...گرد مولانا رحمت اللہ کیرانوی بانی مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ

رسالہ "انوار الشمس" کی ادارت پر مامور ہوئے۔ مارچ ۱۸۷۵ء/۱۲۹۲ھ میں اخبار "آفتاب پنجاب" کے مدیر مقرر ہوئے اور ۱۸۸۴ء کے وسط تک فرائض ادارت انجام دیئے۔

۱۳ اکتوبر ۱۸۸۴ء/ ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۰۱ھ سے اپنے لخت جگر "محمد سراج الدین خان مرحوم" کے نام پر جہلم میں "مطبع سراج المطابع" کی بنیاد رکھی اور ۱۸ جنوری ۱۸۸۵ء/ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۰۲ھ سے ہفت روزہ "سراج الاخبار" جاری کیا۔

محمد دین فوق نے "سراج الاخبار" کے مضامین کے بارے میں لکھا ہے:

"سراج الاخبار میں جو نظمیں چھپتی ہیں وہ بالعموم عامیانہ اور غیر مستند ہوتی ہیں اور غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ مولوی صاحب کو خود شاعری کا مذاق نہیں ہے۔ اخبار میں شیعہ، اہل حدیث اور احمدی صاحبان کے خلاف اکثر مضامین چھپا کرتے ہیں اور یہ شاید اس لئے کہ مولوی صاحب کے مذہبی مذاق سے اُن کے ناظرین واقف ہیں اور وہ اُن ہی کے مذاق کے مضامین بھیجا کرتے ہیں"[1]

مولانا فقیر محمد جہلمی زمانہ طالب علمی میں مولانا حافظ ولی اللہ لاہوری سے متعارف ہوئے اور اُن کے زیر اثر تردید عیسائیت کا ذوق پیدا ہوا۔ اخبار "کوہ نور" (لاہور) اور اخبار "منشور محمدی" (بنگلور) میں اُن کے مضامین طبع ہوتے تھے۔

اُن سے حسب ذیل تالیفات یادگار ہیں:

۱۔ حدائق الحنفیہ
۲۔ رسالہ آفتاب محمدی
۳۔ عمدۃ الابحاث فی ذکر طلقات الثلاث

---

[1] اخبار نویسوں کے حالات ص ۲۱

۴۔ السیف الصارم لمنکر شان الامام الاعظم

۵۔ زبدۃ الاقاویل فی ترجیح القرآن علی الاناجیل

۶۔ ترجمہ تصدیق المسیح

ان کتابوں کے علاوہ مولانا ولی اللہ لاہوری کی حسب ذیل تحریرات پر حواشی لکھے ہیں:

۱۔ صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیطان

۲۔ ابحاث ضروری

۳۔ مباحثہ دینی

مولانا فقیر محمد جہلمی مصروف علمی اور دینی زندگی گزار کر ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۶ء کو فوت ہوئے۔[1]



[1] ماہنامہ نقوش، آپ بیتی نمبر ۱۹۶۴ء

فقیر محمد نقشبندی

مولانا فقیر محمد بن خواجہ غلام حسن نقشبندی موضع ڈگر سوہاگ (سوات) میں پیدا ہوئے انہوں نے ابتدائی کتب درسیہ مولانا گل حسن (خلیفہ خواجہ غلام حسن نقشبندی) سے پڑھیں۔ مولانا عبدالکریم جاسپوری، مولانا فتح محمد (بیتڑہ والا)، مولانا جان محمد پیلانوی، مولانا احمد یار، حافظ محمد رمضان، مولوی فضل حق (کرڑی شموزئی)، مولانا حامد اللہ گھوٹوی اور مولانا مرید احمد (ساکن چیل) کے نام ان کے اساتذہ میں ملتے ہیں۔

مولانا فقیر محمد مطالعہ کے بہت شوقین تھے۔ فقہ حنفی پر گہری نظر رکھتے تھے اپنے والد ماجد سے مجاز بیعت تھے۔

مولانا موصوف "مرض سل" کی بیماری میں مبتلا ہو گئے تھے۔ بہت علاج کیا گیا مگر افاقہ نہ ہوا۔ اپنے والد ماجد کی زندگی میں مرض سل کے دورہ میں تالاب میں گر کر ۱۲ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ/۱۰ ستمبر ۱۹۲۳ء کو وفات پائی۔ چاہ حمل کے مقام پر مدفون ہوئے۔ مولوی عبدالرسول نے قطعہ تاریخ کہا، چند اشعار یہ ہیں:

دریغا صاحب اعزاز و علا رفت ۔۔۔ ز دنیا صاحب صدق و صفا رفت

.... ۔۔۔ ....

.... ۔۔۔ ....

حکیم عبدالرسول این خبر شنید ۔۔۔ پے تاریخ گفتن مصلحت دید

بگفتا از غم این صدمہ سخت ۔۔۔ ولی و عالم کامل جوان بخت[1]

۱۳۴۲ھ

[1] مہر ضیائے حسنیہ ص ۳۰۲

فیروزالدین

مولوی فیروزالدین لاہوری بن جان محمد بن میاں امام بخش بن جیوے خان ۱۲ اگست ۱۸۶۴ء/۱۰-۱-۱۲۸۱ھ میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ راجپوت برادری کے چشم و چراغ تھے۔ اُن کے جدِ امجد جیوے خان مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں ایک عہدے دار تھے اور آبائی گاؤں نیاز بیگ سے نقل مکانی کر کے لاہور آ گئے تھے۔ جیوے خان کے پوتے جان محمد نے علم دین حاصل کیا۔ لاہور کے اچھے پڑھے لکھے لوگوں میں اُن کا شمار ہوتا تھا۔ جب مہاراجہ شیر سنگھ کو فارسی پڑھانے کے لیے اُستاد کی ضرورت محسوس ہوئی تو مہاراجہ کی نظر مولوی جان محمد پر پڑی سردار نحشیش سنگھ کے علاوہ بعض دوسرے نوجوان سکھ سردار اُن کے شاگرد تھے۔

مولوی فیروزالدین کے نانا مولوی نجم الدین، اندرون دروازہ شیرانوالہ محلہ نوگھرا کے بازار میں ایک چھوٹی سی مسجد میں امامت کے فرائض ادا کرتے تھے[1]۔

اس خاندانی پس منظر میں مولوی فیروزالدین کی تعلیم شروع ہوئی۔ ابتدا والد ماجد سے کی مگر ابھی آٹھ نو سال سے زیادہ عمر نہ تھی کہ اُن کا انتقال ہوگیا۔ فارسی و درسیات کا کافی حصہ بنا اور بزرگ مولوی فتح الدین اور چچا خلیفہ نبی بخش سے پڑھا۔ ۱۸۷۸ء/۱۲۹۵ھ میں اورینٹل کالج لاہور کی جماعت "منشی عالم" میں داخلہ لیا اور فارسی زبان و ادب کی تحصیل کی۔

مولوی صاحب کو دورِ طالب علمی سے لکھنے پڑھنے کا شوق تھا۔ ان کے شوق کو دیکھتے ہوئے مسٹر ولیم ریل ڈائریکٹر تعلیمات نے انہیں تصنیف و تالیف کے ساتھ اشاعت و طباعت کی طرف توجہ دلائی۔ انہوں نے چھوٹی اور درسی کتابوں کی طباعت و اشاعت شروع کی۔ فیروز پرنٹنگ پریس کے نام سے چھاپہ خانہ قائم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس قدر ترقی دی کہ آج اُن

---

[1] جہادِ زندگی ص ۳۴

کا خاندان ملک کے امیر ترین خانوادوں میں شمار ہوتا ہے۔ ۱۹۲۲ء میں انہوں نے دو لاکھ کی رقم سے "فیروز سنز ٹرسٹ" کے نام سے ایک وقف قائم کیا جس کے زیرِ اہتمام پشاور، لاہور اور کراچی میں خیراتی شفاخانے کام کر رہے ہیں۔

مولوی صاحب نادر شاہ کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد جشنِ استقلال میں شرکت کے لئے افغانستان گئے۔ ۱۹۳۰ء میں زیارتِ حرمین سے مشرف ہوئے۔ اُن کے والد کو فقرا و صوفیا سے بہت عقیدت تھی اور یہ عقیدت و ارادت انہیں ورثہ میں ملی تھی۔ پہلے حضرت احمد علی کابلی سے بیعت ہوئے۔ اُن کی رحلت کے بعد ایک پٹھان مولوی عبداللہ صاحب سے تعلقِ بیعت استوار کیا مگر اُن کی بیعت کرنا ایک فعلِ عبث ثابت ہوا[1]۔ آخر کار خواجہ اللہ بخش تونسویؒ سے رشتۂ ارادت قائم کیا۔

مولوی صاحب اشاعتی سرگرمیوں میں مصروف ۲ اپریل ۱۹۴۹ء/۲ رجمادی الاخری ۱۳۶۸ھ کو فوت ہوئے اور مزار حضرت علی ہجویریؒ کے قریب دفنائے گئے۔

مولوی صاحب نے اپنی خودنوشت "جہادِ زندگی" میں حسبِ ذیل کتابوں کو اپنی تالیفات میں شمار کیا ہے۔ ان میں سے بعض کتابوں پر محکمۂ تعلیم نے گراں قدر انعامات سے اُن کی حوصلہ افزائی کی تھی۔

۱۔ بیان المطلوب ترجمہ کشف المحجوب[2]۔
۲۔ اُردو ترجمہ کشف الاسرار (منسوب بہ حضرت علی ہجویریؒ)
۳۔ تاریخ دربار دہلی (۱۹۰۳ء)

---

[1] جہادِ زندگی ص ۱۶۳

[2] جناب محمد نصراللہ خان نے اس ترجمے کو اپنے والد گرامی مولانا رحمت علی خان ساقی کی کاوش قرار دیا ہے۔ (مولانا رحمت علی خان ساقی مرحوم ص ۹)

۴۔ یادگارِ سعدی

۵۔ فیروز اللغات (اُردو۔ اُردو)

۶۔ فیروز اللغات (فارسی۔ اُردو)

۷۔ تاریخ دربارِ اسلام

۸۔ اُردو ترجمۂ قرآن و تفسیر "تسہیل القرآن"[1]

۹۔ الہامِ منظوم ترجمۂ مثنوی مولانا روم

مولوی صاحب اپنی تالیفات کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"کشف المحجوب اور کشف الاسرار کے ترجمے اور فیروز اللغات اُردو فارسی کی تدوین کے علاوہ میں نے اور بھی بہت سی علمی، ادبی اور مذہبی کتب تصنیف و تالیف کیں جن میں تاریخ دربارِ اسلام اور مثنوی مولانا روم کا منظوم ترجمہ قابلِ ذکر ہے۔ تاریخ دربارِ اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد سے لے کر خلفائے راشدین تک کے مبسوط حالات نہایت تفتیش و تفحص کے بعد درج کیے گئے ہیں۔ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے جس کی مجموعی ضخامت ایک ہزار صفحات ہے۔ ایک عالم نے اس کتاب کی بڑی قدر افزائی کی۔ اسی طرح مثنوی مولانا روم کے ترجمے نے بھی (جس کا نام الہام منظوم ہے) علمی و ادبی حلقوں سے کما حقہٗ خراجِ عقیدت وصول کیا۔[2] میری تمام تصانیف کا

---

[1] جناب محمد نصر اللہ خان نے اسے بھی اپنے والدِ گرامی مولانا رحمت علی خان ساقی کی کاوش قرار دیا ہے۔ (مولانا رحمت علی خان ساقی مرحوم ص ۹)

[2] جناب سیماب اکبر آبادی (م ۱۳۷۱ھ) "الہام منظوم" کے بارے میں ساغر نظامی کو لکھتے ہیں:

"آج بے حد شاکر ہوں۔ الہام منظوم کا پہلا دفتر لاہور سے وصول ہوا ہے اس کے سرِ صفحہ پر ترجمہ مولوی فیروز الدین لکھا ہوا ہے۔ گویا اس خواب کی تعبیر ہے جو آغازِ کار میں مجھے اور آپ کو نظر آ گیا تھا۔ لیکن پھر بھی مولوی صاحب کی اس سرمایہ دارانہ خود غرضی نے مجھے بہت ملول کیا۔"

(روحِ مکاتیب ص ۱۹۳-۱۹۴)

اس پر ساغر نظامی صاحب نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ "یہ شدید غلط بیانی اور تاریخی حق تلفی ہے۔ سالم دفتر کا ترجمہ صرف مولانا سیماب نے تنہا کیا ہے۔"

حجم پچاس ہزار صفحات کے لگ بھگ ہوگا۔"[3]

مولوی صاحب نے سرسید احمد خان کی اصلاحی تحریک میں اپنے اخبارات کے ذریعے حصہ لیا۔ پہلے "پنجاب پنچ" اور پھر "مشیرِ ہند" کے نام سے اخبار جاری کیے۔ تحریکِ آزادی میں اُن کے انگریزی اخبار "ایسٹرن ٹائمز" نے اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے ایک علمی و ادبی مجلہ "تعلیم و تربیت" بھی جاری کیا جسے ۱۹۴۱ء میں خالصتاً بچوں کے لیے وقف کر دیا جو بچوں کے اُردو رسائل میں منفرد حیثیت کا مالک ہے۔



---

[3] جہادِ زندگی ص ۷۴-۷۵

فیض الحسن جہلمی

مولانا فیض الحسن بن مولانا محمد حسن نقشبندی ۲۷ر جمادی الاولیٰ ۱۳۰۰ھ/ ۶ر اپریل ۱۸۸۳ء کو بھیں میں پیدا ہوئے۔ علوم مروجہ کی تحصیل اپنے فاضل اور جید والد محترم سے کی۔ ۱۹۰۷ء/۱۳۲۵ھ میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ اپنے والد ماجد کی طرح جامعہ نعمانیہ لاہور میں مدرس رہے۔

شعر و شاعری کا ذوق رکھتے تھے اور فیض تخلص کرتے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) کی منقبت میں ایک قصیدہ لکھا جس کے چند اشعار یہ ہیں:[1]

کیف اثنیت جل من الثنار — جل فی وصفہ حجی العلاء
جل عما نقول فیہ کما جل — بادصافہ عن النظراء
امامنا بل امام کل امام — درکن قصر الشریعۃ الغراء
حیوٰۃ دین ابو حنیفہ حیز — الکرامات وسید الاصفیاء
کان واللہ روضۃ الدین فی — النیرا واغصانہ علی الخضراء
قرالفلک آفل کل یوم — ولذاک السکون وسط سماء
لاہباخۃ اطحاق وان لا — یبصر الفضل مقلۃ عمیاء
تم النظم ایہا الفیض واستغفر — لما قد جنیت من اخطاء

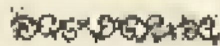
مولانا فیض الحسن تصنیف و تالیف کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ منشی محبوب عالم مدیر پیسہ اخبار کے شائع کردہ انسائیکلو پیڈیا کے مدیروں میں شامل تھے۔ انہوں

[1] انتخاب مناقب ملیمانیہ ص ۱۹۷-۱۹۸ بحوالہ تذکرہ اکابر اہلسنت ص ۳۹۳

نے عربی کی متعدد کتابوں کو اُردو کا جامہ پہنایا۔ اُن کے چند تراجم یہ ہیں:

۱۔ علم الکلام (امام غزالیؒ)
۲۔ تجرید الاحادیث (امام عبدالرؤف مناوی)
۳۔ حدائق الاخبار (محمد صادق فرغانی)
۴۔ سیرت محمد عربی (ملا سلطانی)

جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ/نومبر ۱۹۲۸ء کو وفات پائی اور آبائی گاؤں بھیں میں مدفون ہوئے۔

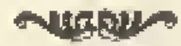


قائم الدین عباسی

مولانا قائم الدین عباسی قصبہ محمد پور دیوان ضلع ڈیرہ غازی خان کے رہنے والے
تھے۔ انہوں نے مولانا حبیب اللہ گمانوی سے اکتسابِ فیض کیا تھا۔ دورۂ حدیث کی تکمیل نہ
کے تھے مگر خداداد قابلیت و ذہانت سے علوم مروجہ خصوصاً فقہ و حدیث میں بلند مقام
تے تھے۔

مولانا عباسی نے تحریکِ ختمِ نبوت (۱۹۵۳ء) میں بہت کام کیا تھا۔ اس کے بعد
ع جتوئی ضلع مظفر گڑھ میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ مولانا دوست محمد قریشی کی ترغیب و
ق پر تنظیم اہل سنت میں شامل ہوئے اور تنظیم کے پلیٹ فارم پر سرگرمِ تبلیغ رہے۔
قریروں میں ان کی سلاست و فصاحت ضرب المثل تھی۔ اصلاحِ معاشرہ اُن کی تقریروں
موضوع ہوتا تھا۔

مولانا عباسی ایک ماہ بیمار رہ کر ۱۹۷۴ء کے آغاز (۱۳۹۴ھ) میں جتوئی ضلع مظفر گڑھ
ت ہوئے۔ مولانا منظور احمد عباسی نے اُن کی تعمیر کردہ مسجد اور مدرسہ کا
م سنبھالا۔[1]



ن از کشف الحقیقت ص ۲۹۲-۲۹۳

حافظ سید قل احمد نوشاہی

حافظ سید قل احمد نوشاہی بن حکیم سید الٰہی بخش ۱۲۱۲ھ / ۹۸-۱۷۹۷ء میں ساہن پال ضلع
گجرات میں پیدا ہوئے۔ خانوادۂ نوشاہ گنج بخشؒ کے ممتاز افراد میں سے تھے۔ انہوں نے علوم
متداولہ کی تحصیل اپنے جدِ امجد حافظ سید نور اللہ (م ۱۲۲۹ھ) اور اپنے والد بزرگوار سے
کی نیز اپنے چچا زاد بھائی مولانا سید غلام قادر بن سید عبداللہ نوشاہی اور مولانا محمد غوث
(چکریاں والا) سے بھی استفادۂ دینی کیا۔

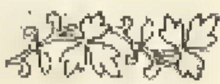
خالصہ حکومت کی جانب سے روزینہ مقرر تھا اور کچھ زمین بطیعہ "دھرم ارتھ" ملی تھی۔
چوہتر سال کی عمر میں ۲۴ ربیع الاخر ۱۲۸۶ھ / ۲ اگست ۱۸۶۹ء کو ساہن پال میں فوت ہوئے۔
اُن کے دو صاحبزادے تھے۔ جن کے نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا سید محمد امین مختار السالکین (م ۱۳۱۰ھ)

۲۔ مولانا سید محمد شفیع (م ۱۳۱۱ھ)

حافظ سید قل احمد سے حسبِ ذیل کتب یادگار ہیں۔ مولانا شرافت نوشاہی صاحب
نے جدید تحقیقی اصولوں کے مطابق ترتیب و تدوین کی ہے۔

۱۔ بستان الاوراد
۲۔ ثمرات الافکار
۳۔ وسائط العلوم
۴۔ مخزن الاعمال
۵۔ مصباح العلاج
۶۔ لغاتِ نوشاہی
۷۔ تبیان القرآن
۸۔ مکتوبات



پیر قلندر شاہ لاہوری

پیر قلندر شاہ بن پیر کرم شاہ (المعروف بہ سیتا شاہ) بن پیر ابوالفتح (المعروف بہ
...چھو) ۱۱۸۵ھ / ۷۲-۱۷۷۱ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ اُن کے خاندان میں سلسلہ
...ح وارشاد اور خدمتِ دین کئی پشتوں سے چلی آرہی ہے۔

...۱۱۹۶ھ / ۸۲-۱۷۸۱ء میں اُن کے والد ماجد اپنے اہل وعیال کے ہمراہ لکھنؤ چلے
...گئے۔ پانچ سال کے بعد وطن واپس آرہے تھے کہ شاہجہانپور کے نزدیک ۱۲۰۱ھ /
...۸۷-۱۷۸۶ء میں قزاقوں سے مڈ بھیڑ ہوگئی جس میں پیر کرم شاہ کام آگئے۔

پیر کرم شاہ کے پس ماندگان وطن آنے کے بجائے بانس بریلی چلے گئے
...۱۲۰۴ھ / ۹۰-۱۷۸۹ء تک رہے۔ پیر قلندر شاہ نے اِس زمانے میں
...فیض کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ شیخ بدر الدین رہتکی ثم لکھنوی
...۱۲۰...ھ) کے ہاتھ پر بیعتِ طریقت کی۔ اُن کی رحلت پر اُن کا مستقر مقرر
... لکھنؤ سے ردولی، الٰہ آباد اور محمد آباد و بنارس کے سفر کیے اور تکمیلِ تعلیم کی۔

پیر قلندر شاہ ۱۲۱۰ھ / ۹۶-۱۷۹۵ء میں واپس لاہور آگئے۔ شعبان ۱۲۳۶ھ /
...ء میں موضع رتہ پیراں ضلع شیخوپورہ میں اراضی خریدی اور وہاں منتقل ہوگئے۔ وہاں
...رمضان ۱۲۳۸ھ / ۱۷ فروری ۱۸۲۳ء کو فوت ہوگئے۔

پیر قلندر شاہ اپنے وقت کے کامل سہروردی بزرگ اور بڑے اہلِ دل مصنف...
ان کے حسبِ ذیل رسائل ملتے ہیں۔[۱]

...فہرست مخطوطاتِ فارسیہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور ص ۹۱-۹۲

۱۔ بیانِ حق (فارسی)، نجم الدین النسفی (م ۷ ۵۳ھ) کے رسالہ موسومہ العقائد النسفیہ
کی منظوم شرح ہے۔

۲۔ حلیہ مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (فارسی منظوم)

۳۔ حلیہ مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (ہندی۔ منظوم)

۴۔ معراج القبول (فارسی۔ منظوم)

پیر قلندر شاہ کی اکثر منظومات "قصائدِ قلندری" میں طبع ہو چکی ہیں۔

سیّد قلندر علی گیلانی سہروردی

سیّد ابوالفیض قلندر علی نسبًا گیلانی اور مشربًا سہروردی تھے ۔ وہ موضع کوٹلی لوہاراں ضلع
سیالکوٹ میں پیدا ہوئے ۔ گھر کا ماحول مذہبی اور علمی تھا ۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد سے
پائی ۔ ابھی آٹھ سال کے تھے کہ اُن کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا ۔ انہوں نے نامساعد
حالات میں تعلیم جاری رکھی ۔ مڈل کا امتحان پاس کر کے دینی علوم کی طرف متوجہ ہوئے ۔ بریلی
میں مولانا احمد رضا خان بریلوی سے استفادہ کیا ۔ مدرسہ منظر اسلام میں تقریبًا اڑھائی
سال مقیم رہے ۔

پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور مولانا شیر محمد شرقپوری سے بھی استفادہ کیا ۔ حیات گڑھیہ
(گجرات) کے بزرگ مولانا غلام محمد سہروردی سے بیعت تھے اور اُن کی طرف سے بیعت
طریقت کے مجاز بھی ۔

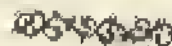
سیّد قلندر علی گیلانی جامع مسجد شاہ ابوالمعالی لاہور کے خطیب تھے ۔ کئی سال
یہاں خطابت اور درس و تدریس کی خدمات انجام دینے کے بعد مسجد چودھریاں قلعہ
گوجر سنگھ میں منتقل ہو گئے ۔ اُن کی تقریر دلنشین اور مؤثر ہوتی تھی ۔ معمولات میں سنتِ
نبوی کا خاص خیال رکھتے تھے ۔

۲۷ ، صفر ۱۳۷۸ھ / ۱۲ ستمبر ۱۹۵۸ء کو قلعہ گوجر سنگھ لاہور میں فوت ہوئے ۔ میت
ہنجروال (لاہور سے سات میل دُور ملتان روڈ پر ایک گاؤں) لائی گئی اور تدفین
عمل میں آئی ۔

گیلانی مرحوم نے حسبِ ذیل کتابیں لکھی ہیں :

۱ ۔ ستیاناسِ لامکان ۲ ۔ جمالِ رسول

۳ ۔ موعظۃ المتقین ۴ ۔ صحیفۂ نوشیہ
۵ ۔ دعوت الحنفیہ ۶ ۔ حلیۃ النبی
۷ ۔ لباس التقوٰی ۸ ۔ رسالہ علم غیب
۹ ۔ الفقر فخری ۱۰ ۔ قیس یوسفی
۱۱ ۔ تذکرہ سہروردیہ ۱۲ ۔ تعارف سہروردیہ
۱۳ ۔ جمال النبی ۱۴ ۔ میلاد الرسول
۱۵ ۔ پردۂ نسواں



محمد کرم الدین دبیر

مولانا محمد کرم الدین دبیر ۱۸۵۲ء / ۱۲۶۹-۷۰ھ کے لگ بھگ بھیں ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کر کے لاہور اور امرتسر کے اساتذۂ وقت سے استفادہ کیا۔ کچھ عرصہ مولانا احمد علی سہارنپوری (م ۱۲۹۷ھ) کے حلقۂ درس میں شریک رہے۔ تکمیلِ تعلیم کے بعد چند سال وطنِ مالوف میں مشغولِ تدریس رہے۔ مولانا فقیر محمد جہلمی مولف "حدائق الحنفیہ" سے دوستانہ روابط رکھتے تھے، اُن کے ایما پر ہفت روزہ "سراج الاخبار" کے مدیر ہو گئے۔

مولانا دبیر مناظرانہ مزاج رکھتے تھے اور مناظرین کی جملہ خوبیوں۔ طلاقتِ لسانی، حاضر جوابی، منطقیت اور مضبوط قوتِ یادداشت سے بدرجۂ اتم بہرہ مند تھے۔ یوں انہوں نے اہلِ تشیع، اہلِ حدیث اور قادیانی حضرات سب ہی سے مباحثے کئے تھے مگر اُن کا اصل ہدف قادیانیت تھی۔ اُنہوں نے "سراج الاخبار" میں قادیانیت پر خوب لکھا اور جلسوں میں مرزا غلام احمد قادیانی کو بھرپور تنقید کا نشانہ بنایا۔ مرزا صاحب کے معتقدین نے اُن پر یکے بعد دیگرے مقدمے قائم کئے۔

پہلا مقدمہ ۴ / نومبر ۱۹۰۲ء کو اور دوسرا مقدمہ ۲۹ / جون ۱۹۰۳ء کو حکیم فضل دین بھیروی کی جانب سے گورداس پور میں دائر کیا گیا۔ ان دونوں مقدمات میں باعزت طور بری ہوئے۔ تیسرا مقدمہ شیخ یعقوب علی تراب مدیر اخبار "الحکم" نے مولانا دبیر اور مولانا فقیر محمد جہلمی کے خلاف دائر کیا جس میں مدعا علیہما کو ۵۴ روپے جرمانہ ہوا۔

مولانا دبیر نے بھی مرزا قادیانی اور حکیم فضل دین بھیروی کے خلاف مولانا محمد حسن فیضی مرحوم کی تضحیک اور اُن کی شہرت کو نقصان پہنچانے کی بنیاد پر مقدمہ دائر کیا جو

اس بنا پر خارج ہو گیا کہ بیوہ اور نابالغ بیٹے کی موجودگی میں عم زاد بھائی کو ایسا استغاثہ دائر کرنے کا قانونی حق حاصل نہیں ہے۔

مولانا دبیر نے دوسرا استغاثہ اِن ہر دو صاحبان کے خلاف ازالۂ حیثیتِ عرفی ذاتی کا کیا کیوں کہ مرزا صاحب نے اپنی تالیف "مواہب الرحمان" میں اُنہیں کذّاب اور لئیم جیسے "خطابات" سے نوازا تھا۔ اس مقدمہ میں مرزا صاحب کو پانچ صد روپے جرمانہ یا بعدم ادائیگی جرمانہ چھ ماہ قید اور ناشر "مواہب الرحمان" حکیم فضل دین بھیروی کو دو سو روپے جرمانہ یا پانچ ماہ قید کا حکم ہوا۔ مگر اپیل پر انگریز سیشن جج نے اُن کو اس لیے بری کر دیا کہ مستغیث مولانا کرم دین نے اپنی "واضح" اور "ثابت شدہ" فریب دہی کی وجہ سے اپنے آپ کو مرزا صاحب کے ریمارکس کا مستحق بنا دیا تھا۔

مولانا احمد رضا خان بریلوی نے "حسام الحرمین" میں علمائے دیوبند کی تکفیر کی۔ اس کتاب کی تائید میں مولانا حشمت علی خان لکھنوی نے "الصوارم الہندیہ" مرتب کی جس میں مولانا دبیر کا فتویٰ موجود ہے[1] مولانا مرحوم کے فرزند قاضی مظہر حسین صاحب کا بیان ہے کہ بعد میں حقیقتِ حال معلوم ہونے پر اُن کے خیالات میں تبدیلی آگئی تھی۔[2]

مولانا دبیر کو پیر جماعت علی شاہ علی پوری سے عقیدت تھی۔ اپنی تالیف "آفتابِ ہدایت" کا انتساب پیر جماعت علی شاہ صاحب کے نام کیا تھا اور پیر صاحب نے اُن کی مناظرانہ مساعی کی تعریف کرتے ہوئے انہیں "غازی اسلام" قرار دیا تھا۔

---

[1] الصوارم الہندیہ ص ۱۰۔۱۱۱ ہدایت المسلمین (تالیف میاں محمد بخش قادری) کی منظوم تقریظ میں بھی یہی رنگ موجود ہے۔

[2] آفتابِ ہدایت ص ۲۰، ۱۲

مولانا دبیر در شعبان ۱۳۶۵ھ/۱۷ جولائی ۱۹۴۶ء کو خدا آباد میں مکان کی چھت گرنے سے جاں بحق ہوئے۔ میت بجلیں لائی گئی اور وہیں مدفون ہوئے۔ مرحوم کے فرزند قاضی مظہر حسین صاحب دینی و علمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مولانا دبیر سے حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ آفتابِ ہدایت (رد رفض و بدعت)

۲۔ تازیانۂ عبرت (قادیانی حضرات کی طرف سے دائر کردہ مقدمات کی روداد)

۳۔ مناظراتِ ثلاثہ

۴۔ صداقت مذہبِ نعمانی

۵۔ السیف المسلول لاعداء خلفاء الرسول

مولانا مرحوم فارسی اور اردو میں شعر کہتے تھے اور دبیر تخلص کرتے تھے۔ پیر مہر علی شاہ گولڑوی کی رحلت پر حسب ذیل مرثیہ کہا تھا[1]

آسماں را حق بود گر خون ببارد بر زمین
بر وفاتِ پیر با شاہنشہِ دنیا و دین
شد غروب آں مہرِ عالمتاب شد گیتی سیاہ
بر فلک گریاں ملائک، جن و انس بر زمین
رخت بستہ زیں سرا چوں رفت در دار السلام
گفت رضواں خیر مقدم فادخلوہا خالدین
حور و غلماں صف کشیدہ منتظر بہرِ جمال
طالبِ دیدار ارواحِ عبادِ الصالحین

[1] مہر منیر ص ۴۴۳

جسم شد محجوب از ما لیک روحِ پاکِ او
ہر زماں نگرانِ حالِ طالبانِ صادقین
باشد از بہرِ مریدانِ حضرتِ اقدس دبیر
روزِ محشر مثلِ جدِّ خود شفیع المذنبین[1]



[1] مولانا دبیر نے اس مرثیہ کے علاوہ ”تازیانۂ عبرت“ میں بھی پیر صاحب مرحوم سے عقیدت و عقیدت کا اظہار کیا ہے تاہم پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے سوانح نگار کے بیان کے مطابق وہ پیر صاحب کے مرید نہیں تھے۔ دیکھئے: مہر منیر ص ۲۵۵

محمد کلیم اللہ چھپانوی

محمد کلیم اللہ چھپانوی بن غلام قادر بن حافظ محمد حیات بن جیون کی ولادت تیرھویں صدی ہجری کے ربع اول میں بمقام گاکھڑہ ضلع گجرات ہوئی۔ اُن کا نسبی تعلق وڑایچ برادری سے تھا اور علم و فکر کی روایت اُن کے خاندان میں ایک صدی سے چلی آ رہی تھی۔ اُن کے دادا حافظ محمد حیات صاحب ایک مدرس تھے اور کافیہ ابن حاجب پر اُن کا حاشیہ یادگار ہے۔ ان کے علمی تبحر کا اندازہ اس حاشیہ سے ہوتا ہے۔

محمد کلیم اللہ کے والد مولوی غلام قادر (م ۱۲۹۳ھ) اپنے وقت کے جید عالم اور کامل طبیب تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں باریابی کا اعزاز رکھتے تھے۔[1]

محمد کلیم اللہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی۔ اس کے بعد مولوی محمد اسماعیل ساکن خنوانی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اُن کے اساتذہ میں مولوی نور الدین ساکن گوکھلی، مولوی شاہنواز خان ساکن بھروکی، حافظ نور الدین چکوڑوی (م ۱۳۰۲ھ) اور مولوی سید احمد شاہ پیلانوی (م ۱۳۰۲ھ) کے نام بھی ملتے ہیں۔

تحصیل علوم سے فارغ ہوئے تو ۱۸۵۲ء/۶۹-۱۲۶۸ھ میں گاکھڑہ سے ترک سکونت کر کے چھپانہ ضلع گجرات میں اقامت پذیر ہو گئے۔ یہاں درس و تدریس، وعظ و تبلیغ اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔[2]

---

[1] نسخہ خطی در کتب خانہ احمد حسین احمد قریشی گجرات

[2] تذکرہ علمائے احناف (خطی)، بحوالہ اورینٹل کالج میگزین بابت ستمبر دسمبر ۱۹۷۰ء

موصوف کو معقولات بالخصوص منطق سے گہری دلچسپی تھی۔ قریشی احمد حسین احمد قلعہ داری کی روایت ہے:

"کہا جاتا ہے علمائے ہند بالخصوص علمائے فرنگی محل نے بطور طعن کہا کہ اہل پنجاب معقولات کا ادراک نہیں رکھتے۔ مولوی کلیم اللہ صاحب نے فرنگی محل، دہلی اور گرد و نواح کا سفر اختیار کیا۔ وہاں کے علماء سے مناظرے کیے اور اپنا لوہا منوایا۔ میرے والد بزرگوار علامہ مولوی محمد عبدالکریم فرمایا کرتے تھے کہ مولوی صاحب مرتے دم تک اس بات پر فخر کیا کرتے تھے کہ میں نے پنجاب کی آبرو رکھ لی۔"[1]

مولوی محمد کلیم اللہ خدمات دینیہ انجام دیتے ہوئے ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں فوت ہوئے اور چھپانہ ضلع گجرات میں دفنائے گئے۔

مرحوم سے کئی کتابیں یادگار ہیں جن کے خطی نسخے احمد حسین احمد قریشی قلعہ داری کے کتب خانے میں محفوظ ہیں۔ ان میں سے "تذکرہ علمائے احناف" بوجوہ اہمیت کا مستحق ہے۔

یہ تذکرہ تیرھویں صدی کے آخری عشرہ میں لکھا گیا ہے۔ تذکرہ میں مؤخر ترین سن وفات ۱۲۹۳ھ ملتا ہے جس سے واضح ہے کہ یہ تذکرہ ۱۲۹۳ھ یا اس کے کچھ بعد مکمل ہو گیا تھا۔ مولوی فقیر محمد جہلمی کا متداول تذکرہ "حدائق الحنفیہ" ۱۳۰۷ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اس اعتبار سے "تذکرہ علمائے احناف" کو تقدم زمانی حاصل ہے۔



---

[1] اورینٹل کالج میگزین بابت ستمبر دسمبر ۱۹۷۰ء ص ۱۲۵

گل محمد احمد پوری

خواجہ گل محمد بن حکیم اللہ رکھا بن مولوی محمد بخش ۱۱۶۹ھ/۵۶-۱۷۵۵ء میں اوچ میں پیدا ہوئے۔ اُن کا سلسلۂ نسب حضرت خواجہ معروف کرخی (م ۲۰۰ھ) سے جاملتا ہے۔ اُن کے اجداد میں سے شیخ ظہیر الدین عہد شاہجہان میں ملتان آگئے تھے اور شیخ الاسلام کے منصب پر فائز ہوئے تھے۔

مولوی محمد بخش اوچی خواجہ فخر الدین دہلوی سے نسبت بیعت رکھتے تھے۔ خواجہ گل محمد کے والد حکیم اللہ رکھا بلند پایہ عالم اور حاذق طبیب تھے۔ نواب صادق محمد خان ثالث نے جو اُن کے قدردان تھے اور مدّاح، اُنہیں اوچ سے بلاکر احمد پور شرقیہ میں قیام کی پیش کش کی۔ اس طرح خواجہ گل محمد کا خاندان اوچ سے احمد پور شرقیہ منتقل ہوگیا۔

خواجہ گل محمد نے طب کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ دینی تعلیم صاحب "تحفہ غوثیہ" مولانا غوث بخش اور دوسرے علماء سے پائی۔ قاضی محمد عاقل کے مدرسہ کوٹ مٹھن میں بھی زیر تعلیم رہے۔ ایک روایت کے مطابق حافظ محمد جمال ملتانی کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہ کیا تھا۔

خواجہ گل محمد، قاضی محمد عاقل کے مرید باصفا اور خلیفہ تھے۔ احمد پور شرقیہ میں ایک خانقاہ اور دینی درس گاہ کے بانی تھے۔ تلقین وارشاد کے ساتھ فن طب کے ذریعے بھی عوام کی خدمت کرتے تھے۔

۱۲۴۳ھ/۲۸-۱۸۲۷ء میں احمد پور شرقیہ میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے۔ اُن کے دو صاحبزادے خواجہ محمود بخش اور خواجہ محمد بخش تھے۔ اوّل الذکر سجادہ نشین ہوئے۔

خواجہ گل محمد کے علمی آثار میں سیّد محمد المعروف میر خورد بن سیّد کمال الدین کی تالیف "سیر الاولیا" کا تکملہ ہے جس میں دیگر سلاسل کے مشائخ عظام کے علاوہ سلسلۂ نظامیہ فخریہ کے بزرگان کرام، خصوصاً اپنے مرشد گرامی قاضی محمد عاقل کے خانوادے کے حالات اور اُن کے ملفوظات یکجا کئے ہیں۔

خواجہ گل محمد احمد پوری کے ایک خلیفہ میاں محمد شریف تھے جو قصبہ خان بیسلہ (بہاول پور) میں مدفون ہیں۔

⁂⁂⁂

لال حسین اختر

مولانا لال حسین اختر ضلع گورداسپور کے ایک گاؤں دھرم کوٹ رندھاوا کے رہنے
الے تھے۔ تحریک خلافت کے زمانے میں اورینٹل کالج لاہور میں زیر تعلیم تھے۔ تحریک
دم تعاون کا آغاز ہوا تو اورینٹل کالج کو خیر باد کہہ دیا اور اپنے وطن جاکر سیاسی سرگرمیوں
ں حصہ لینے لگے۔ خلافت کمیٹی بٹالہ سے منسلک ہوکر سارے ضلع کا دورہ کیا اور پوری
رت سے خلافت کے اغراض ومقاصد کی تبلیغ کی۔ آخر حکومت کے خلاف منافرت
یلانے کے الزام میں گرفتار کر لئے گئے۔ اور چند سرسری پیشیوں کے بعد ایک سال
ید کی سزا سنا دی گئی۔ یہ قید انہوں نے گورداسپور جیل میں کاٹی۔ قید سے رہا ہوئے تو
الی شردھانند کی بھڑکائی ہوئی منافرت کی آگ نے ان کی توجہ جذب کر لی اور شدھی
ے مقابلے میں تبلیغ اسلام کے کاموں میں مصروف ہو گئے۔

آریہ سماجیوں کے خلاف کام کرتے ہوئے انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور
ے متعارف ہوئے اور انجمن کی کوششوں سے متاثر ہو کر اس سے وابستہ ہو گئے۔
د لکھتے ہیں:

"مجھے لاہوری مرزائیوں کے چند مبلغ ملے۔ انہوں نے میرے سامنے
اپنی جماعت کے تبلیغی کارناموں کو نہایت ہی مبالغہ سے بیان کیا اور مرزا
صاحب آنجہانی کی خدمات اسلامی کے بڑھ چڑھ کر افسانے سنائے اور کہا
کہ ہماری جماعت کے وہی عقائد ہیں جو اہل سنت والجماعت کے ہیں۔ مرزا
صاحب مدعی نبوت نہیں تھے۔ جن لوگوں نے مرزا صاحب کی طرف دعویٰ
نبوت منسوب کیا ہے۔ انہوں نے مرزا صاحب کے متعلق جھوٹ بولا

ہے اور بہتان طرازی وافترا پردازی سے کام لیا ہے...... چونکہ مرزائی
مذہب کے متعلق میرا مطالعہ صفر کے برابر تھا اس لئے میں تبلیغ اسلام کے نام
پر ان کے دام تزویر میں پھنس گیا اور مرزا صاحب کی مجددیت ومہدویت کا
پھندا اپنے گلے میں ڈال دیا۔"[1]

انجمن احمدیہ سے منسلک ہوکر انجمن کے تبلیغی کالج میں داخل ہوئے۔ سنسکرت پڑھی اور ویدوں کا مطالعہ کیا۔ کالج سے فارغ ہوئے تو تبلیغی کام کرنے لگے۔ انجمن کے حلقے میں انہیں کافی اہمیت حاصل ہو گئی۔ اخبار "پیغام صلح" کے مدیر اور احمدیہ ایسوسی ایشن کے سیکرٹری کے ممتاز عہدوں پر فائز رہے۔ آٹھ سال انجمن احمدیہ سے وابستہ رہنے کے بعد یکم جنوری ۱۹۳۲ء/ ۱۳۵۰ھ کو انجمن کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا جو ۲۰ جنوری کو منظور ہو گیا۔ انجمن احمدیہ سے ترک تعلق کے بعد انہوں نے "ترک مرزائیت" کے نام سے ایک رسالہ لکھا جس میں قادیانیت پر سیر حاصل تنقید ہے۔

ترک قادیانیت کے بعد اہل سنت والجماعت کے مسلک کے مطابق تبلیغ شروع کی۔ اس مقصد کے لئے ایک ماہنامہ "تائید الاسلام" (لاہور) جاری کیا جو ان کی ادارت میں کچھ عرصہ چھپتا رہا۔

قیام پاکستان کے بعد ان کی تمام توجہ قادیانیت کی طرف رہی۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغ اور مناظر تھے۔ مولانا لال حسین اختر نے تحریک ختم نبوت (۱۹۵۳ء) میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔

لال حسین اختر دینی خدمات انجام دیتے ہوئے ۱۰ جمادی الآخری ۱۳۹۲ھ/ ۱۱ جولائی ۱۹۷۲ء میں فوت ہوئے۔

---

[1] ترک مرزائیت ص ۴-۵

سید لعل شاہ ہمدانی

حضرت سید لعل شاہ ہمدانی کے اجداد میں سے سید بلاول شاہ ہجرت کر کے موضع "دندہ" ضلع اٹک آگئے تھے۔ اُن ہی کے نام پر یہ گاؤں "دندہ شاہ بلاول" مشہور ہوا۔ سید لعل شاہ یہیں پیدا ہوئے۔ مولانا احمد دین انگوی (خلیفہ حاجی دوست محمد قندھاری) سے دس سال کے عرصے میں علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ فارغ التحصیل ہوئے تو اُستادِ گرامی کی نگرانی میں تدریس شروع کی۔

حاجی دوست محمد قندھاری کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا اور اُن سے اکتسابِ فیض کیا۔ حاجی صاحب کی وفات کے بعد خواجہ محمد عثمان سے تجدیدِ بیعت کی اور خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔ ۷ / شعبان ۱۳۱۳ھ / ۲۲ / جنوری ۱۸۹۶ء کو دندہ شاہ بلاول میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہیں۔

صاحب "فوائدِ عثمانی" نے اُن کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے "عالم فاضل، صالح، متقی، دائم الذکر والفکر، صاحبِ استغراق و صاحبِ حلم و خلق و صاحبِ سخاوت و صاحبِ توکل۔"[1]

---

[1] فوائدِ عثمانی ص ۱۵۳

حکیم سید مبارک علی ہمدانی

حکیم سید مبارک علی بن سید عبدالحق کوٹ مراد خان (قصور) کے ہمدانی سادات سے تعلق رکھتے ہیں۔ ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۱۲ھ/۲۳ مارچ ۱۸۹۵ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سید عبدالحق محدث اور سید امانت علی سے حاصل کی۔ حاجی عبدالرحمان (خلیفۂ مجاز میاں شیر محمد شرقپوری)، مولانا نور بخش دین (سابق صدر مدرس مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری دہلی) اور مولانا محمد دین خوشابی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اورینٹل کالج لاہور سے مولوی فاضل، منشی فاضل اور ادیب فاضل کی اسناد حاصل کیں۔ سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے او۔ ٹی کی پیشہ ورانہ تربیت حاصل کی۔

فنِ طب سے لگاؤ تھا اور طبیہ کالج لاہور کے فارغ التحصیل تھے۔ کافی عرصہ گورنمنٹ ہائی سکول اور اسلامیہ ہائی سکول قصور میں السنۂ شرقیہ کے استاد رہے۔ بعد میں ملازمت سے مستعفی ہو کر مطب کھولا۔ قصور کے بااثر افراد میں سے تھے۔ تیس سال میونسپل کمیٹی قصور کے رکن رہے۔ ہر جمعہ وعظ و ارشاد کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ اصلاحِ معاشرہ اور تبلیغِ حق میں مصروف رہتے تھے۔ فتنۂ قادیانیت کی تردید میں جری اور سراپا عمل تھے۔

۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۲ھ/۱۰ جنوری ۱۹۵۳ء کو فوت ہوئے۔ اُن کے صاحبزادے سید محمد طیب شاہ ہمدانی قصوری خاندانی روایات کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔[۱]

حکیم صاحب سے حسبِ ذیل تالیفات یادگار ہیں:

---

[۱] ہم اور ہمارے اسلاف ص ۳۹۱-۳۹۵

۱۔ سید البشر
۲۔ ذکرِ خیر (سوانح حیات سید عبدالحق محدث قصوری)
۳۔ مرزائے قادیانی
۴۔ تفسیر نوادر (غیر مطبوعہ)
۵۔ حاشیہ نامِ حق (")
۶۔ ترجمۂ اردو مقیتۃ اللبیب (")
۷۔ خطبات (۱۳۲۵ھ تا ۱۹۵۳ء) (")
۸۔ رسالہ وراثت (منظوم) (")



محب النبی

مولانا محب النبی بن مولانا احمد الدین بن امیر حمزہ ۱۳۱۴ھ/۹۷-۱۸۹۶ء میں ضلع ...ک کے گاؤں بھوئی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی مکتبی تعلیم والد ماجد مولانا احمد الدین سے ...اصل کی جو علاقہ کے معروف عالم تھے۔ صرف و نحو کی بعض کتابیں مولانا نواب علی ...زاروی سے پڑھیں۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے دہلی گئے۔ مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری میں زیر تعلیم ...رہے۔ آخر میں مدرسہ نعمانیہ اجمیر میں مولانا مشتاق احمد کانپوری سے استفادہ کے لئے ...حاضر ہوئے۔ ان سے تصریح، شرح چغمینی اور صدرا کے اسباق پڑھے۔

انہوں نے پیر مہر علی شاہؒ گولڑوی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان سے شیخ اکبر ابن عربیؒ (... ۶۳۸ھ) کی فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم کا درس لیا۔

مولانا محب النبی فارغ التحصیل ہوئے تو درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔ پنجاب کی ...ن معروف درس گاہوں میں مدرس رہے۔ ان میں دارالعلوم نوشیہ گولڑہ شریف، جامعہ نظامیہ ...زیرآباد، جامعہ محمدی جھنگ اور جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی شامل ہیں۔

۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ/۲۲ مارچ ۱۹۷۶ء کو فوت ہوئے۔ موضع بھوئی میں ...دفنائے گئے۔[1]



---

[1] ...الیواقیت المہریہ ص ۱۰۵، تذکرہ اکابر اہلسنت ص ۴۱۶-۴۱۸

محبوب عالم

مولانا محبوب عالم بن مولوی اللہ دین موضع فیروز والا ضلع گوجرانوالہ کے ایک متوسط خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ وہ ۱۸۶۳ء/۸۰-۱۲۷۹ھ میں اپنے ننھیال موضع بھروکی نزد وزیرآباد (ضلع گوجرانوالہ) میں پیدا ہوئے۔

محبوب عالم کے چچا مولوی احمد الدین برج الماری نزد لاہور میں مدرس تھے۔ انہوں نے اپنے چچا کی نگرانی میں برج الماری سے پرائمری کا امتحان پاس کیا۔ مڈل کا امتحان قصور میں پاس کیا۔ جہاں ان کے دوسرے چچا ماسٹر محمد الدین مڈل سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ اسی زمانے میں مولوی محبوب عالم کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ اور ان کا سلسلہ تعلیم منقطع ہو گیا۔ بعد میں انہوں نے پرائیویٹ طور پر پنجاب یونیورسٹی سے "منشی" اور "منشی عالم" کے امتحانات پاس کئے۔ "منشی" کے امتحان میں پورے صوبے میں اوّل آئے اور انعام و اکرام سے نوازے گئے۔

ماسٹر محمد الدین ایک ماہوار رسالہ "کلید امتحان مڈل و انٹرنس" نکالتے تھے۔ انہوں نے اپنی دوسری مصروفیات کے پیش نظر اسے مولوی محبوب عالم اور ان کے بھائی منشی عبدالعزیز کے حوالے کر دیا۔ مولوی صاحب نے رسالہ کا انتظام و انصرام سنبھالا اور لاہور میں مطبع خادم التعلیم قائم کیا۔ لاہور میں دو سال رہ کر گوجرانوالہ آ گئے۔ یہاں بھی کاروبار نہ چل سکا تو اپنے گاؤں "فیروز والہ" میں منتقل ہو گئے۔

مولوی محبوب عالم نے "کلید امتحان مڈل و انٹرنس" کی ادارت اور انتظام سے اخبار نویسی کی دنیا میں قدم رکھا اور اس کے بعد مختلف رسائل اور اخبارات جاری کئے۔ ۱۸۸۸ء/۰۶-۱۳۰۵ھ میں فیروز والا سے اخبار "ہمت" جاری کیا۔ جس کی پیشانی پر "ہمت مرداں مدد خدا"

ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ ہفت روزہ "سکول ماسٹر" شروع کیا لیکن تجربے سے معلوم ہوا کہ عوام کو ایک سستے اخبار کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے "ہمت" کو "پیسہ اخبار" میں تبدیل کر دیا اور ایک مہینے کے اندر اندر کاروبار فیروز والا سے گوجرانوالہ منتقل کر لیا۔ "پیسہ اخبار" اپنی ارزاں قیمت اور دلچسپ مضامین کی بدولت بہت جلد ایک اہم اور مقبول اخبار بن گیا۔

مولوی محبوب عالم نے گوجرانوالہ سے ہی زراعت کی ترقی اور زمینداروں کی راہنمائی کے لئے ایک رسالہ "زمیندار و باغبان و عطار" جاری کیا جو پنجاب میں اپنی قسم کا اوّلین رسالہ تھا۔

۱۸۸۹ء/۷-۱۳۰۶ھ میں مولوی محبوب عالم نے "پیسہ اخبار" کو لاہور منتقل کیا۔ گوجرانوالہ کے زمانۂ اشاعت میں "پیسہ اخبار" کانگریس کا ہمنوا تھا۔ لاہور میں بھی کچھ عرصہ کانگریس کی حمایت کرتا رہا۔ بعد میں مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے کوشاں رہا۔ ۲۰ مئی ۱۸۹۹ء/۲۱ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ ہفت روزہ "پیسہ اخبار" بند ہوا۔ دوبارہ ۱۹۰۴ء/۱۳۲۲ھ میں جاری ہوا۔

مولوی صاحب نے اُردو اخبار کے ساتھ انگریزی اخبار ہفت روزہ "..." ۱۸۹۵ء/۱۳۱۳ھ میں جاری کیا جو دو سال بہار دکھا کر رہ گیا۔

مولوی صاحب نے مئی تا دسمبر ۱۹۰۰ء/۱۳۱۸ھ میں یورپ کا سفر کیا اور یورپی ممالک کی زندگی کا مشاہدہ کیا۔ مولوی صاحب ایک کامیاب صحافی تھے۔ اُنہوں نے متذکرۃ الصدر رسائل اور اخباروں کے علاوہ مندرجۂ ذیل رسائل بھی جاری کئے۔

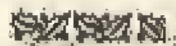
۱۔ انتخابِ لاجواب (اجراء ۱۸۹۵ء)
۲۔ بچوں کا اخبار (اجراء ۱۹۰۲ء)
۳۔ شریف بی بیاں (اجراء ۱۹۱۰ء)

مولوی صاحب کئی زبانیں جانتے تھے۔ اُردو، فارسی اور عربی کے علاوہ فرانسیسی، ترکی اور روسی سے واقف تھے۔ مطالعہ کا بے پناہ شوق تھا۔ ایک عمدہ کتب خانہ فراہم کیا تھا۔ جس میں بیس ہزار سے زائد کتابیں تھیں۔ موصوف ۲۷ مئی ۱۹۳۲ء/۲۱ محرم ۱۳۵۱ھ کو فوت ہوئے۔ ڈاکٹر محمد اقبال نے حسب ذیل قطعۂ تاریخ کہا۔[۱]

سحرگاہاں بہ گورستان رفتم!
درآں گورے پُر از انوار دیدم
ز ہاتف سالِ تاریخش شنیدم
"معلّیٰ تربتِ محبوبِ عالم"

۱۳۵۱ھ

مولوی محبوب عالم کامیاب مترجم اور اہلِ قلم تھے۔ اُن کی قلمی یادگاروں میں "سفرنامہ یورپ" معروف ہے۔ اُنہوں نے ابتدائے عمر میں شعر و شاعری بھی کی تھی اور مسافر تخلص کرتے تھے۔ بعد میں صحافت کی مصروفیات میں یہ ذوق دب کر رہ گیا۔



۱؎ سرودِ رفتہ ص ۲۲۰

محبوب عالم گجراتی

مولانا محبوب عالم موضع سیدا تحصیل پچالیہ ضلع گجرات کے باشندے تھے۔ اُنہوں نے علوم دینیہ کی تحصیل کے لیے وسط ہند کا سفر کیا اور فارغ التحصیل ہو کر مدرسہ اسلامیہ کرنال میں مدرس ہو گئے۔

خواجہ توکل شاہ انبالوی (م ۱۳۱۵ھ) سے بیعت ہوئے اور تین ماہ بعد ملازمت سے مستعفی ہو کر انبالہ آ گئے۔ اُن کے انبالہ آجانے سے "مدرسہ توکلیہ" جاری ہوا۔ گیارہ برس انبالہ میں مقیم رہے اور خواجہ توکل شاہ (م ۱۳۱۵ھ) سے خلافت حاصل کی۔[1]

انبالہ سے اپنے آبائی وطن آ گئے اور اپنے علم و عمل سے گجرات کے نواح میں دین کی اشاعت کی۔ ۱۰ رمضان ۱۳۳۵ھ / ۱۱ جولائی ۱۹۱۷ء کو وفات پائی۔ سیدا تحصیل پچالیہ میں دفنائے گئے۔ مولوی سلام اللہ شائق نے حسبِ ذیل قطعۂ تاریخ کہا:[2]

چوں جناب مولوی محبوب عالم زندہ دل!
شد رواں جانبِ فردوس روحش شاد باد
عالم و فاضل، فقیہ بے بدل، مدنی منش
عابد و زاہد، شریف و پارسا، نیکو نہاد!
ہم مزارش ابرِ رحمت روز و شب باشد نزول
می کنم ہر دم دُعا از حضرتِ رب العباد

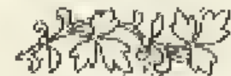
---

[1] تذکرہ مشائخ نقشبندیہ ص ۴۵۹
[2] تذکرہ اولیائے گجرات ص ۸۶

از ہزارہ مولوی صاحب چراغ دین نوشت
جانبِ شائق کہ گوید سال آں عالی نژاد
از سرِ اندیشہ از افسوس گفتہ سالِ او
مولوی محبوب عالم در بہشتِ عدن باد

۱۳۳۳ھ + ۲ = ۱۳۳۵ھ

مولانا محبوب عالم مرحوم نے خواجہ توکل شاہ انبالوی (م ۱۳۱۵ھ) کی سوانح حیات "ذکرِ خیر" یادگار چھوڑی ہے۔



سید ابوالحسنات محمد احمد قادری

مولانا سید محمد احمد قادری بن سید دیدار علی شاہ ۱۳۱۴ھ/۹۷-۱۸۹۶ء میں ریاست الور
(بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ماجد سید دیدار علی شاہ معروف خطیب اور عالم دین
تھے۔ مولانا ابوالحسنات نے الور کے مقامی مکتب میں حافظ عبدالحکیم اور حافظ عبدالغفور
سے قرآن مجید حفظ کیا۔ مرزا احمد بیگ سے اردو اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ قرأت و تجوید
کی مشق قاری قادر بخش الوری سے کی۔ درس نظامی کی ابتدائی کتابیں اپنے والد ماجد سے
پڑھیں۔ بعد میں مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی اور مولانا احمد رضا خان بریلوی کے سامنے
زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ علم طب نواب حاذق الدین احمد خان مراد آبادی سے حاصل کیا۔

مولانا ابوالحسنات نے حصول علم کے لئے طویل سفر کئے۔ بمبئی، جے پور، دہلی
آگرہ، اجمیر، لاہور، ملتان، پشاور، بریلی، رام پور اور بدایوں کے علمی مراکز کے علاوہ
چھوٹے چھوٹے قصبوں میں گئے۔

علوم دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے تو مسلمانان الور کی دینی راہنمائی کا منصب حاصل
[illegible] الور کی مسجد تریولیہ ہندوؤں نے شہید کر دی تھی۔ اس واقعہ سے مسلمانان الور میں غم و غصہ
کی لہر دوڑ گئی۔ مولانا ابوالحسنات نے مسجد کی تعمیر نو کا عزم کیا۔ مسلمانان الور کی خواہش
[illegible] قربان دی۔ گرفتار ہوئے مگر ان کی مساعی سے ریاستی خرچ پر مسجد از سر نو تعمیر کر
دی گئی۔

۱۹۲۰ء/۳۹-۱۳۳۸ھ میں الور سے آگرہ آ گئے اور مطلب شروع کیا۔ ان کے والد ماجد

تذکرہ علماء اہلسنت و جماعت لاہور ص ۳۱۷

لاہور آ گئے تھے اور مسجد وزیر خان میں خطبہ دیتے تھے۔ ۱۹۲۶ء/۴۵-۱۳۴۴ھ میں وہ
مستعفی ہوئے تو مولانا ابوالحسنات اس منصب پر فائز ہوئے۔ انہوں نے مسجد وزیر خان
کی خطابت کے ساتھ ساتھ بیگم شاہی محلہ کی ایک ویران مسجد کو آباد کیا۔ اپنے والد اور برادر اصغر مولانا
ابوالبرکات کے تعاون سے "دارالعلوم حزب الاحناف" کی بنیاد رکھی۔

مولانا ابوالحسنات تحریک پاکستان میں سرگرم رہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی
جمعیت علمائے اسلام میں شامل رہے۔ قیام پاکستان کے بعد انہیں "جمعیت علمائے اسلام"
کا صدر چنا گیا۔

بریلوی نقطۂ نظر کے علماء نے ۲۶، ۲۷، ۲۸ مارچ ۱۹۴۸ء/۱۵، ۱۶، ۱۷ جمادی الاولیٰ
۱۳۶۷ھ کو ملتان میں ایک کانفرنس بلائی اور "جمعیت علمائے پاکستان" کے نام سے ایک
نئی تنظیم قائم کی۔ مولانا ابوالحسنات کو اس نئی تنظیم کا صدر چنا گیا اور وہ آخر دم تک اس
عہدے پر فائز رہے۔

مولانا ابوالحسنات نے قیام پاکستان کے بعد تحریک جہاد کشمیر میں حصہ لیا۔ چندہ
جمع کیا۔ مجاہدین بھیجے اور خود بھی میدان جہاد میں اتر گئے۔ اسی طرح ۱۹۵۳ء کی تحریک
ختم نبوت میں بنیادی کردار ادا کیا۔ "مجلس عمل" کے وہی صدر تھے۔ گرفتار ہوئے اور
کراچی، سکھر اور حیدر آباد کے قید خانوں میں ایک سال محبوس رہے۔ جیل میں بیمار ہو گئے
اور رہائی کے ایک سال بعد داعی اجل کا پیغام آ گیا۔ ۲ شعبان ۱۳۸۰ھ/۲۰ جنوری ۱۹۶۱ء
کو ساڑھے بارہ بجے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ حضرت علی ہجویری کے احاطہ
مزار میں دفنائے گئے۔

مولانا ابوالحسنات نے اپنے والد ماجد کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور ان سے
مجاز بیعت تھے۔ ان کے علاوہ سید علی حسین شاہ کچھوچھویؒ سے بھی اجازت بیعت
حاصل تھی۔

مولانا ابوالحسنات کی مندرجہ ذیل کتابیں طبع ہوئی ہیں:

۱۔ تفسیر الحسنات
۲۔ اوراقِ غم
۳۔ صبحِ نور
۴۔ الناصح
۵۔ طیب الورد شرح قصیدۃ البردہ (اردو)
۶۔ مسدس حافظ
۷۔ مخمس حافظ
۸۔ دیوانِ حافظ
۹۔ ترجمہ کشف المحجوب
۱۰۔ شمیمِ رسالت
۱۱۔ اظہار الاسلام
۱۲۔ فرشتۂ رحمت

مولانا ابوالحسنات اردو اور فارسی میں شعر کہتے تھے اور حافظ تخلص کرتے تھے۔ ان کا مجموعہ کلام طبع ہو چکا ہے۔

مولانا ابوالحسنات کی اولاد میں چار لڑکے اور تین صاحبزادیاں ہیں۔ مولانا سید امین الحسنات خلیل احمد قادری (خطیب مسجد وزیر خان لاہور) دینی حلقوں میں معروف ہیں۔



محمد اشرف فاروقی نوشاہی

مولانا محمد اشرف فاروقی بن میاں اعزالدین میاں معصوم بن علم الدین کے آبا و اجداد
موضع چک بھارا کے رہنے والے تھے وہاں سے اُن کے بزرگ ترکِ سکونت کر کے
موضع پانڈو کے ضلع گوجرانوالہ میں آئے۔

مولانا محمد اشرف فاروقی النسب تھے اور اُن کے خاندان میں کئی علماء و فضلاء اور
شعراء پیدا ہوئے۔ مولانا غلام شائق اسی خانوادہ کے چشم و چراغ تھے۔ مولانا محمد اشرف
کے والد ماجد میاں اعزالدین (المعروف بہ عزت دین) اچھے طبیب اور عالم تھے۔
ان کی مہر کا سجع یہ تھا:

"اعزالدین منوّر در جہاں است"

مولانا محمد اشرف ۱۱۵۵ھ/۱۷۴۲ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد گرامی اور جدِ
بزرگوار سے مروّجہ انداز کے مطابق تعلیم حاصل کی۔ بیعتِ طریقت شیخ ضیاء اللہ
... ساکن چاسکے چیمہ ضلع سیالکوٹ) سے کی تھی۔
سکھ گردی میں مولانا محمد اشرف کا آبائی گاؤں محفوظ نہ تھا اس لئے ترکِ سکونت
... کے قصبہ منچر چٹھہ چلے گئے۔ چوہدری غلام محمد خود مختار حاکم تھا۔ اُس نے مولانا
محمد اشرف کی قدر و منزلت کی۔ قاضی اور مفتی کے منصب پر فائز تھے۔ آخر میں رنجیت
سنگھ کے باپ مہان سنگھ نے چوہدری غلام محمد کو شکست دے کر چٹھوں کی طاقت
ہمیشہ کے لئے ختم کر دی۔ چوہدری غلام محمد سکھوں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گیا
اس کے بعد مولانا محمد اشرف موضع کالے والا ضلع گوجرانوالہ میں منتقل ہو
... ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء میں فوت ہوئے۔

مولانا محمد اشرف خانوادہ قادریہ نوشاہیہ کے بزرگ سید حافظ نوراللہ نوشاہی کے معاصر تھے۔ دونوں حضرات میں اُنس و محبت کے مراسم تھے اور ایک دوسرے کے کتب خانوں سے استفادہ کرتے رہتے تھے۔ مولانا محمد اشرف فارسی، اُردو اور پنجابی زبان میں شعر کہتے تھے۔ اُن کی چند اہم تصنیفات یہ ہیں:

۱۔ مثنوی کنزالرحمت (فارسی) حاجی نوشہ گنج بخش (م ۱۰۶۴ھ) اور اُن کی اولاد و خلفاء کے حالات و کرامات بیان کئے گئے ہیں۔ کنزالرحمت کو مولوی حبیب اللہ نعمانی نے پنجابی نظم کا جامہ پہنایا ہے۔ اصل اور ترجمہ دونوں شائع ہو چکے ہیں۔

۲۔ مثنوی یوسف و زلیخا (فارسی)

۳۔ مصباح الطب (فارسی منظوم)

۴۔ مناقبِ نوشاہی (پنجابی)

۵۔ فقر نامہ (")

ان کے علاوہ اُنہوں نے پنجابی زبان میں متعدد قصّوں کو نظم کا جامہ پہنایا ہے۔

مولانا محمد اشرف نوشاہی کے چند اشعار بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔ مثنوی "کنزالرحمت" کے آخر میں اپنے مرشدِ طریقت کے بارے میں لکھتے ہیں:[1]

ہرکہ او مسلک عقل و خرد آگاہ بود | ازدل و جان بندہ حضرت ضیاء اللہ بود
میرسد از یک نظر در بارگاہ ایزدی | ہرکہ با لطف عمیش رہنمائے راہ بود
ساغر لطفش چناں مخمور کردہ عالمے | چشم ہر مخلوق مست از بادۂ نوشاہ بود
نیست فردا آفتابِ حشر را تابش برو | ہرکہ ابر سر ز ذات پاک او سایہ بود
اشرف از کمتر غلامانش ہمیں دارد امید | کہ بہ عقیدہ رحمتش گر گر سگ در گہ بود

[1] کنزالرحمت ص ۱۲۶

حافظ محمد افضل

حافظ محمد افضل بن مولانا غلام مرتضیٰ جیلاوا ہن ضلع بہاول پور میں ۱۵ شعبان ۱۲۶۶ھ/۲۶ جون ۱۸۵۰ء کو پیدا ہوئے۔ کسی نے اُن تاریخ ولادت "شب برات زادہ شدہ" سے نکالی ہے۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد والد ماجد سے اکتساب فیض کیا۔ خواجہ خدا بخش خیرپوری سے بھی استفادہ کیا۔ حافظ محمد افضل اور اُن کے بھائی حافظ محمد اکمل نے اُن سے رسالہ توضیح اور مطول کے اسباق پڑھے تھے۔

فارغ التحصیل ہوئے تو والد ماجد کی نگرانی میں تعلیم و تدریس شروع کی، فقہ میں مخصوص مہارت بہم پہنچائی تھی۔ اُن کے مدرسہ میں علوم ظاہری کے ساتھ سلوک و طریقت کے جویا بھی رہتے تھے۔

حافظ محمد افضل ۲۷ رجمادی الاولیٰ ۱۳۰۹ھ/۲۹ دسمبر ۱۸۹۱ء کو فوت ہوئے۔ "مبارک خاتمہ" سے سال وفات برآمد ہوتا ہے۔ نیز تاریخ وصال یہ ہے:

۱۳۰۹ھ

تاریخ وصالش جستجو کردم ز عقل

یامر اندوہ گفتہ صد فریاد

۱۳۰۹ھ

حافظ مرحوم سے سینکڑوں افراد نے فیض پایا۔ چند اہم نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا اللہ بخش

۲۔ مولانا حافظ محمد

۳۔ مولانا عبداللہ حیاتی بہاولپوری

۴۔ حافظ جلال الدین لکھوکوی

۵۔ مولانا سلطان محمود

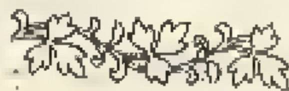
۶۔ حافظ حماد ثانی

حافظ محمد اکمل

حافظ محمد اکمل بن حافظ غلام مرتضیٰ بن مولانا محمد ۱۲۲۰/۱۵/۱۲۰۱۱ھ/۱۸۰۵ء میں پیدا ہوئے۔ علوم متداولہ کی تحصیل والد یا جد حافظ غلام مرتضیٰ اور مولانا خدا بخش شیر پوری سے کی۔ حافظ قرآن اور عالم اجل تھے۔ پوری زندگی درس و تدریس اور ہدایت و ارشاد میں بسر کی۔ اپنے بڑے بھائی حافظ محمد افضل کے ساتھ ایک ہی درسگاہ میں درس دیتے تھے۔ متوسطات کی تعلیم حافظ محمد اکمل اور درس نظامی کی آخری کتب حافظ محمد افضل پڑھاتے تھے۔

حافظ محمد اکمل کو فن میراث پر کامل عبور حاصل تھا اور اس فن کے مشکل مسائل کو انگلیوں پر حل کر دیتے تھے۔

موصوف اپنے بڑے بھائی سے چار سال چھوٹے تھے اور ان کی رحلت کے بعد چار سال زندہ رہے۔ مرض الموت میں وفات سے ایک دن پہلے فرمایا کہ آج میری عمر بھائی کی عمر کے برابر ہو گئی ہے۔ ۱۳۱۳ھ/۹۶-۱۸۹۵ء میں وفات پائی[1] اور سیال واہن (ضلع بہاولپور) میں مدفون ہوئے۔



---

[1] سہ ماہی "الزبیر" (۳) بابت اگست ۱۹۶۲ء

محمد الدین لاہوری

مولانا محمد الدین ۳ر جمادی الاولیٰ ۱۲۶۷ھ/۶ر مارچ ۱۸۵۱ء کو لاہور میں پیدا ہوئے
...ں نے سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں علوم مروجہ کی تکمیل کی اور وعظ و تدریس کا شغل اختیار
...پھر اورینٹل کالج میں داخل ہوئے۔ ۱۸۷۰ء میں مولوی کا امتحان پاس کیا۔ ۱۸۷۱ء
...ٹرنس اور منشی عالم، ۱۸۷۲ء میں مولوی عالم اور ۱۸۷۴ء میں مولوی فاضل و منشی فاضل
...امتحانات پاس کیے۔

اگست ۱۸۷۳ء میں اورینٹل کالج میں فارسی کے مدرس دوم مقرر ہوئے۔ ۱۸۸۳ء/
...لیم او۔ ایل کی سند حاصل کی۔ ۱۸۸۷ء میں مدرس دوم کے ساتھ اسسٹنٹ پروفیسر
...ہوئے تھے۔[2] مولانا محمد الدین زیادہ تر گورنمنٹ کالج لاہور کی ایف۔ اے اور بی۔ اے
...جماعتوں کو عربی اور فارسی پڑھاتے تھے۔ ۲۶ر نومبر ۱۸۹۸ء/۱۲ر رجب ۱۳۱۶ھ کو بعارضہ
...ن کے بارہ بجے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

مولانا محمد الدین خلیق، ملنسار اور سادہ مزاج تھے۔ اُن کی اولاد میں صرف ایک لڑکی
اُن کی حسبِ ذیل کتابیں ملتی ہیں:[3]

۔ روضۃ الادباء۔ عرب شعراء، ادباء، علماء و فضلاء و حکماء کا تذکرہ

...سراج الاخبار (جہلم) بابت ۲۸ر نومبر ۱۸۹۸ء

...تاریخ اورینٹل کالج ص ۱۳۳

...ان اولالذکر گیارہ کتابوں کا ذکر "سراج الاخبار" (جہلم) کے تعزیتی نوٹ میں ہے۔ آخرالذکر تین کتابوں
...اورینٹل کالج کے اساتذہ کا تحقیقی ادبی اور درسی سرمایہ" میں ملتے ہیں۔

۲۔ تبیان الصنائع
۳۔ تفسیر فتح العظیم
۴۔ تاریخ ایام الجاہلیۃ
۵۔ خلاصۃ المذہب فی قواعد الادب (عربی)
۶۔ مختصر السیر فی احوال سید البشر المعروف بہ گلستانِ محمدی
۷۔ حل اللغات الف لیلہ (فارسی)
۸۔ شرح محمدی (متعلق مسائل میراث و معاملات)
۹۔ رسالہ علم منطق
۱۰۔ تعلیقات مقامات بدیعی
۱۱۔ روضۃ الابرار
۱۲۔ مخزن الفوائد
۱۳۔ منتخبات اخلاق ناصری
۱۴۔ میزان الاخلاق



خواجہ محمد الدین سیالوی

خواجہ محمد الدین بن خواجہ شمس الدین سیالوی ۱۲۵۳ھ/ ۳۸-۱۸۳۷ء میں سیال شریف ضلع
سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی فارسی درسیات والد ماجد سے پڑھیں۔
مدرسہ میں مولوی سلیمان نامی ایک مدرس سے علوم دینیہ پڑھنے شروع کئے۔ اعلیٰ تعلیم خواجہ
معظم الدین مرولوی سے حاصل کی۔ کچھ عرصہ مولانا فتح محمد ساکن سیانہ ضلع جھنگ کے
سامنے بھی زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

خواجہ شمس الدین سیالوی کی رحلت پر اُن کے علمی و روحانی جانشین ہوئے۔ خواجہ
اللہ بخش تونسوی نے خرقۂ خلافت پہنایا۔ انہوں نے اپنے والد ماجد کی علمی و دینی اور
اصلاحی خدمات جاری رکھیں۔ سیال کی درسگاہ نے اُن کی نگرانی میں خوب ترقی کی۔

خواجہ محمد الدین نے ۲ رجب ۱۳۲۷ھ/ ۲۰ جولائی ۱۹۰۹ء کو جان، جانِ آفرین
کے سپرد کی اور سیال میں اپنے والد گرامی کے پہلو میں دفنائے گئے۔ "رہبرِ چشتیاں محمد دین"
سے سالِ وفات برآمد ہوتا ہے۔

خواجہ محمد الدین کے چار فرزند تھے۔

۱۔ صاحبزادہ محمد امین ۲۔ صاحبزادہ محمد ضیاء الدین (جانشین)
۳۔ صاحبزادہ محمد عبداللہ ۴۔ صاحبزادہ محمد سعداللہ

خواجہ محمد الدین سیالوی کے حالاتِ زندگی اور ملفوظات غلام دستگیر مجّود جالندھری
نے "محبوبِ سیال" اور "برکاتِ سیال" کے نام سے جمع کئے ہیں۔

محمد الدین اعوان

ملک محمد الدین اعوان، مہوٹہ کلاں ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ ۹ اگست
۱۸۸۱ء/ ۱۳ رمضان ۱۲۹۸ھ کو پیدا ہوئے۔ بچپن میں والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا
تھا اور گاؤں مہوٹہ کلاں دریائے چناب کی طغیانی کی نذر ہو گیا تھا۔ جلالپور اور چکوال
کے مدرسوں میں تعلیم حاصل کی۔ مڈل کے بعد اپریل ۱۸۹۶ء/ ۱۳۱۴ھ میں اسلامیہ ہائی سکول
لاہور میں داخل ہوئے۔ زمانۂ طالب علمی سے لکھنے پڑھنے کا شوق تھا۔ شعر بھی کہتے
تھے۔ بی۔ اے میں پڑھتے تھے کہ رنجیت سنگھ اور امیر عبدالرحمان خان والیٔ
افغانستان کی سوانح عمریاں لکھیں۔ محمد الدین فوقؔ کے بقول اُن کی ایک تحریر سے معلوم
ہوا کہ انہوں نے یہ دونوں کتابیں صرف تین دن میں لکھی تھیں۔[1]

۱۸۹۹ء/ ۱۷-۱۳۱۶ھ میں بغرض معاش پٹواری ہو گئے۔ ملازمت کو اپنے مزاج
کے خلاف دیکھتے ہوئے تجارت کو ذریعہ معاش بنایا۔ جلالپور میں تین سال پشمینہ اور
ادویہ کا کاروبار کیا لیکن خسارہ اُٹھا کر کنارہ کش ہو گئے۔ جلالپور سے لاہور گئے اور
اپنے ذوقِ تحریر کے لئے رسالہ "جلوہ نور" جاری کیا جو صرف تین ماہ چل سکا۔ اگست
۱۹۰۶ء/ ۱۳۲۴ھ میں قسمت آزمائی کے لئے کچھ عرصہ کشمیر میں گزارا مگر کامیابی نہ ہوئی۔
کشمیر سے واپس جلالپور آئے اور سید غلام حیدر علی جلالپوری کے ہاتھ پر سلسلۂ
چشتیہ میں بیعت ہوئے۔

ملک محمد الدین نے کچھ عرصہ اخبار "ہندوستان" (لاہور) کا اہتمام و انصرام کیا۔

---

[1] اخبار نویسوں کے حالات، ص ۶۲-۶۳

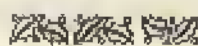
ری) ۱۹۰۹ء/۱۳۲۶ھ میں اپنے پیر و مرشد کی یاد میں رسالہ "صوفی" (منڈی بہاؤالدین)
ری کیا۔ جسے بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ برصغیر کے معروف اور مقبول قلمکاروں
ے اپنی تحریروں سے "صوفی" کو سرفراز کیا اور قارئین نے خوب خوب پڑھا۔ رسالہ
فی میں بطورِ خاص پیر سید غلام حیدر علی جلالپوری کے ملفوظات طبع ہوتے تھے۔

ملک محمد الدین نے رسالے کے ساتھ کتابوں کی اشاعت کا کام شروع کیا۔ اور وہ
ے کے امیر لوگوں میں شمار ہونے لگے۔ منڈی بہاؤالدین میں "صوفی منزل" کے نام
ے اُن کی کوٹھی بن گئی۔ سیشن کورٹ کے اسیسر بنے۔ دنیوی امارت کے ساتھ علمی و دینی
دان میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ "صوفی" کی ادارت اُن کا ایک اہم کارنامہ تھا۔
ہم اُن سے چند کتابیں بھی یادگار ہیں۔ جن میں سے حسبِ ذیل نمایاں ہیں۔

۱۔ ذکرِ حبیب (پیر غلام حیدر علی شاہ جلالپوری کے حالات، ملفوظات اور کرامات کا تذکرہ)

۲۔ خاتونِ جنت (سیرت الزہرا)

ملک محمد الدین نے صاحبزادہ پیر فضل شاہ جلالپوری کے ہمراہ ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء
ی فریضۂ حج ادا کیا تھا۔



سید محمد امین مختار نوشاہی

سید محمد امین مختار السالکین بن حافظ سید قول احمد بن حکیم سید الٰہی بخش ۲۵ ذیقعدہ ۱۲۴۱ھ/ یکم جولائی ۱۸۲۶ء کو پیدا ہوئے۔ اُن کا سلسلۂ نسب صرف چند واسطوں سے حضرت نوشہ گنج بخش رح (م ۱۰۶۴ھ) سے ملتا ہے۔ انہوں نے علوم دینیہ کی تعلیم اپنے والد بزرگوار اور مولانا سید غلام قادر بن سید عبداللہ نوشاہی سے پائی۔ صاحب حال بزرگ تھے۔ اپنے والد سے سلسلۂ قادریہ نوشاہیہ میں بیعت تھے اور خلافتِ مجاز کا شرف حاصل تھا۔

۱۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۱۰ھ/ ۷ جنوری ۱۸۹۳ء کو ساہن پال میں جان بجانِ آفرین کو دی۔ وہیں مزار ہے۔ اُن کی علمی یادگاروں میں سے "خلیفۂ امینیہ" ملتا ہے۔

نرینہ اولاد میں تین صاحبزادے تھے۔

۱۔ مولانا حافظ سید روح اللہ (م ۱۶ صفر ۱۲۹۴ھ)

۲۔ حافظ سید فاضل شاہ (م ۱۲ صفر ۱۳۳۷ھ)

۳۔ حافظ سید محمد شاہ نیک اختر (م ۲۲ محرم ۱۳۳۷ھ) سجادہ نشین[1]

---

[1] تذکرۂ نوشہ گنج بخش ص ۱۷۳-۱۷۴

خواجہ محمد امین مستالوی

خواجہ محمد امین بن شیخ احمد جی موضع روپڑ علاقہ سواں (ضلع راولپنڈی) کے رہنے والے تھے۔ اُن کے والد ماجد شیخ احمد جی سلسلۂ نقشبندیہ میں خواجہ نلدار نتھیا فوئیؒ کے خلیفہ تھے۔ عمر بھر اتباعِ شریعت اور ریاضت و عبادت میں مصروف رہے۔ حضرت شیخ احمد ۱۴ شوال ۱۲۸۴ھ/ ۸ فروری ۱۸۶۸ء کو روپڑ میں فوت ہوئے۔ اور وہیں دفنائے گئے۔

حضرت شیخ احمد جی کے تین صاحبزادے تھے:

۱۔ خواجہ فقیر محمد (م ۱۵ شوال ۱۳۱۵ھ)

۲۔ خواجہ محمد حبیب اللہ (م ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۲۵ھ)

۳۔ خواجہ محمد امین (م ۲ شوال ۱۳۱۸ھ)

اول الذکر دونوں صاحبزادے روپڑ میں مقیم رہے۔ خواجہ محمد امین ترکِ سکونت کر کے مستال[1] آ گئے۔ وہ حافظِ قرآن، محدث اور بلند پایہ صوفی تھے۔ سندِ اجازت حدیث حضرت قاری عبدالرحمان پانی پتی (م ۱۳۱۴ھ) سے حاصل کی تھی۔ تبرکاً سند نقل کی جاتی ہے۔

"بسم اللہ الرحمان الرحیم، الحمد للہ رب العالمین و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔ اما بعد می گوید بندہ عبدالرحمان بن محمد کہ مولوی محمد امین سلمہ القوی المتین از بندہ اجازت روایتِ کتب حدیث وغیرہ

---

[1] راولپنڈی شہر کے شمال مغرب میں اڑھائی میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے جو پھیلتے ہوئے اسلام آباد کا حصہ بنتا جا رہا ہے۔

خواستند اگرچہ من قابل این منصب نہ بودم اما انجاحاً لمسئولہم می گویم کہ ایشان را اجازت است کہ روایت کتب حدیث از بندہ بکنند و مواضع مغلقہ و مشتبہ را از شروح و حواشی کتب حدیث اہل سنت حل میکردہ باشند و در تصحیح الفاظ و تشخیص معانی مخالفت جمہور اہل سنت نہ کنند و از عقائد و اعمال اہل ہوا مجتنب بودہ اتباع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم را ملتزم باشند و خیر خواہی خدا و رسول و اہل اسلام شعار خود سازند۔ اللہ تعالیٰ معین باد و این حقیر اخذ معقول و منقول و تحصیل سند از اساتذہ کثیر کردہ کہ اجل و اخص ایشان یگانہ آفاق حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب قدس سرہ ہستند و ایشان از جد مادری خود مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اخذ سند کردند و ایشان از والد ماجد خود حضرت مولانا شاہ ولی اللہ قدس سرہ الی آخر سند المشہورہ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

العبد المذنب عبدالرحمان

تحریرہ ۲ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ یوم الخمیس

مہر

۱۳۲۳ عبدالرحمان

خواجہ محمد امین ۳ شوال ۱۳۱۸ھ / ۲۳ جنوری ۱۹۰۱ء کو مستال میں فوت ہوئے اور وہیں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ مرحوم کے فرزند ارجمند مولانا محمد عبدالعلی نے تاریخ وفات کہی ہے۔

یوم بود اربعا رو دوم شوال!
سہ صد و یک ہزار و ہژدہ سنین

مرحوم سے حسب ذیل دو کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ زاد الامین الی اہل الیقین (فارسی غیر مطبوعہ) تصوف کے موضوع پر بصورت سوال و جواب عمدہ کتاب ہے۔ افسوس ہے کہ موت کے بے رحم ہاتھوں نے مؤلف مرحوم کو کتاب مکمل نہ کرنے دی۔

۲۔ تحفہ واحدیہ (پنجابی منظوم) اس کتاب میں اپنے والد محترم اور شیخ طریقت خواجہ شیخ احمد رہبڑی کے شمائل، خوارق عادات اور کمالات عالیہ نظم کیے ہیں۔

مرحوم کے دو صاحبزادے خواجہ عبدالحی اور مولانا محمد عبدالعلی تھے۔ اول الذکر بغرض حج حجاز تشریف لے گئے اور مکہ معظمہ میں بیمار ہو کر فوت ہوئے۔ ثانی الذکر مرحوم خواجہ محمد امین کے جانشین ہوئے۔

محمد انشاء اللہ خان

مولانا محمد انشاء اللہ خان بن مولوی محمد انعام اللہ، ۲۰ اپریل ۱۸۷۰ء/ ۱۸ محرم ۱۲۸۷ھ کو گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ مولوی محمد انعام اللہ ضلع کرنال میں ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس تھے اور سرسید احمد خان کے ساتھیوں میں سے تھے۔ انہیں سرسید احمد خان کے مذہبی اور سیاسی خیالات سے اتفاق نہ تھا مگر اُن کی تعلیمی مساعی کے مداح اور معترف تھے۔

مولانا محمد انشاء اللہ خان نے ابتدائی تعلیم گوجرانوالہ میں حاصل کی۔ تیرہ سال کی عمر میں مڈل کا امتحان کرنال سے پاس کیا اور میٹرک گوجرانوالہ سے کی۔ اسی اثنا میں اُن کے والد ماجد کا انتقال ہوگیا تاہم انہوں نے مزید تعلیم کے لئے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ ۱۸۸۸ء/ ۵-۱۳۰۴ھ میں ایف۔ اے کا امتحان دیا جس میں ناکام ہوئے۔ اس کے بعد زمینداری میں مشغول ہو گئے۔

مولانا محمد انشاء اللہ خان کو مضمون نگاری کا شوق ابتدا سے تھا۔ ان کا پہلا اردو مضمون ۱۸۹۵ء/ ۱۳-۱۳۱۲ھ میں "پیسہ اخبار" میں طبع ہوا۔ اسی زمانے میں انگریزی اخبار "دی سن (THE SUN)" میں لکھنا شروع کیا۔ اس کے بعد وکیل (امرتسر) میں چند مضامین لکھے اور اکتوبر ۱۸۹۵ء/ ۱۳-۱۳۱۲ھ میں "وکیل" کے مدیر ہو گئے۔
۱۹۰۰ء/ ۱۸-۱۳۱۷ھ میں "وکیل" (امرتسر) سے الگ ہو گئے۔ ۴ جنوری ۱۹۰۱ء/ ۱۹-۱۳۱۸ھ کو لاہور سے ہفت روزہ "وطن" جاری کیا اور "حمیدیہ پریس" کے نام سے ایک مطبع قائم کیا۔ ۱۹۰۴ء/ ۲۲-۱۳۲۱ھ میں جنگ روس و جاپان کے زمانے میں "وطن" کو روزنامہ بنایا لیکن دو تین ماہ بعد روزنامہ ایڈیشن بند ہو گیا۔ اکتوبر ۱۹۱۱ء/ ۱۳۲۹ھ میں دوبارہ روزنامہ

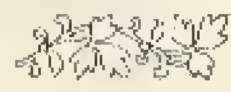
کیا۔ ۱۹۳۰ء/ ۴۹-۱۳۴۸ھ تک اخبار باقاعدگی سے طبع ہوتا رہا۔

مولانا انشاء اللہ خان نے "تفسیر القرآن" کے نام سے ایک ماہنامہ بھی جاری کیا تھا۔ جو ناقدروانی کے باعث دو سال سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا۔

مولانا محمد انشاء اللہ خان کی شہرت ایک صحافی کی حیثیت سے ہے مگر اُن کی علمی اور تصنیفی کوششوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علوم اسلامیہ اور عربی زبان و ادب پر گہری نظر رکھتے تھے۔

مولانا انشاء اللہ خان ۱۹۲۸ء/ ۴۷-۱۳۴۶ھ میں فوت ہوئے۔ اُن کی حسب ذیل کتابیں مشہور ہیں:

۱۔ اُردو ترجمہ انجیل برنباس	۲۔ بیست سالہ عہد حکومت سلطان عبدالحمید
۳۔ تاریخ خاندان عثمانیہ	۴۔ محاربات پلیونا
۵۔ محاربات تھسلی	۶۔ ٹرکی کی موجودہ حالت
۷۔ مظالم آرمینیا	۸۔ واقعات روم
۹۔ تاریخ حجاز ریلوے	۱۰۔ ترجمہ مقدمہ ابن خلدون



حافظ محمد جمال ملتانی

مولانا حافظ محمد جمال بن محمد یوسف بن حافظ عبدالرشید تقریباً ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء میں ملتان میں پیدا ہوئے۔ اُن کے اساتذہ کے بارے میں تفصیلات نہیں مل سکیں۔ دورانِ طالب علمی میں ذہین اور محنتی طلبہ میں شمار ہوتے تھے۔ "دائرۃ الاصول" تک مروجہ نصاب کی تحصیل کی تھی کہ ریاضت و مجاہدۂ نفس میں مصروف ہو گئے۔[1] حاضر جوابی اور طلاقتِ لسانی کی خوبیوں سے بدرجۂ اتم بہرہ ور تھے۔ اُن سے مناظرہ و مباحثہ میں کسی دوسرے شخص کا جیت جانا ممکن نہ تھا۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (م ۶۳۸ھ) اور مولانا جامی (م ۸۹۸ھ) کی تصنیفات پر عبور رکھتے تھے۔ مسئلہ وحدت الوجود پر گہری نظر تھی اور فصوص الحکم سے خصوصی دلچسپی تھی۔

حافظ محمد جمال نے ملتان میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔ خود درس دیتے تھے۔ اُس زمانے میں یہ مدرسہ علم و فضل کا ایک اہم مرکز تھا۔ خواجہ گل محمد احمد پوری نے اس مدرسہ میں دو سال تعلیم حاصل کی تھی۔[2]

خواجہ نور محمد مہاروی سے بیعت ہوئے اور اُن کی طرف سے اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ اپنے مرشد سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ سفر و حضر میں اُن کے ساتھ رہتے اور اُن کی مجالس سے فیض یاب ہوتے تھے۔ غیر شرعی رسوم کو سخت ناپسند کرتے تھے اور احکامِ شرعی کے اتباع کی تلقین کرتے تھے۔

۱۔ گلزارِ جمالیہ ص ۷-۸

۲۔ تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۳۵

باخلاق اور خوش پوش بزرگ تھے۔ دسترخوان بہت وسیع تھا۔ انگشتری میں
مسلم عوان اللہ جمیل وہ یحب الجمال کے الفاظ کندہ تھے۔[1]
حافظ محمد جمال علم و عمل کی بے پناہ صلاحیتوں سے متصف تھے۔ ایک طرف علمی
طور پر ان کا پایہ بلند تھا تو دوسری طرف شجاعت و تہور اور جہد و وفا میں اپنی
تھے۔ پنجاب پر سکھوں کا تسلط ہوا تو مسلمانوں کو مصائب و مشکلات کا
سامنا پڑا۔ حافظ صاحب کی زندگی میں سکھوں نے ملتان پر حملے کئے۔ وہ ان حملوں
میں والیان ملتان کے ساتھ رہے۔ ۱۲۲۶ھ/۱۸۱۱ء میں ملتان پر حملہ ہوا تو وہ ملتان
سے باہر تھے۔ فوراً معرکہ میں جہت لینے واپس آ گئے۔ تیراندازی میں کافی مہارت رکھتے
اور اس فن کی تربیت دیتے تھے۔
حافظ صاحب ۵ جمادی الاولیٰ ۱۲۲۶ھ/۲۹ مئی ۱۸۱۱ء کو فوت ہوئے کسی
نے تاریخ وصال کہی ہے۔ ع

خرد زسال وصالش بجست و جوئے کرد
ندائے داد سروش کہ یافت خوب وصال[2]
۱۲۲۶ھ

حافظ صاحب نے دو شادیاں کی تھیں لیکن لاولد رہے تاہم ان کے روحانی فرزند
بہت زیادہ تھے۔ ان کے چند خلفاء کے نام یہ ہیں:
۱۔ مولانا خدا بخش ملتانی ثم خیرپوری
۲۔ مولانا عبدالعزیز پرہاروی

[1] انوار جمالیہ ص ۱۷
[2] تاریخ مشائخ چشت ص ۶۰۶

۳۔ مولانا زاہد شاہ
۴۔ مولانا غلام حسن ملتانی
۵۔ قاضی عیسے خان بہوری
۶۔ مولانا حامد
۷۔ صاحبزادہ غلام فرید
حافظ صاحب سے کوئی تصنیف یادگار نہیں البتہ ان کے علم و فضل کے نقوش
ملفوظات میں ملتے ہیں۔ ملفوظات کے اہم مجموعے یہ ہیں:

۱۔ خصائل رضیہ[1]	مرتبہ مولانا عبدالعزیز پرہاروی
۲۔ انوار جمالیہ	مرتبہ مولانا غلام حسن ملتانی
۳۔ اسرار الکمالیہ	مرتبہ زاہد شاہ



[1] اس کا اردو ترجمہ ... کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔

محمد حسن فیضی

ابوالفیض محمد حسن فیضی بن نور حسین ضلع جہلم کے معروف گاؤں "بھیں" میں پیدا ہوئے۔ اُن کے اساتذہ میں مولانا قاضی عبدالحلیم (ساکن ڈھاب تاحمیاں) کا نام ملتا ہے جو اُن کے ماموں تھے۔ موصوف ابوالفضل کرم الدین دبیر کے چچا زاد بھائی تھے۔

مولانا ابوالفیض کو عربی زبان و ادب پر قدرتِ کاملہ حاصل تھی۔ عربی زبان میں بلا تکلف لکھتے اور شعر کہتے تھے۔ اُن سے کئی قصائد یادگار ہیں جن میں سے بعض صنعتِ مہملہ میں ہیں۔ ملا مبارک (م ۱۰۰۱ھ) کے بیٹے فیضی (م ۱۰۰۴ھ) کی طرح زبان پر قدرتِ کاملہ کے پیشِ نظر اپنے لیے فیضی کا تخلص پسند کیا تھا۔

فارغ التحصیل ہوئے تو انجمن نعمانیہ لاہور نے اپنے مدرسہ کے لیے اُن کی خدمات حاصل کر لیں۔ موصوف کے اہم کارناموں میں سے ایک مرزا غلام احمد قادیانی کا علمی تعاقب ہے۔ مرزا صاحب کو اپنی عربی دانی پر بڑا ناز تھا اور آئے دن علماء کو مقابلے کا چیلنج دیتے رہتے تھے۔ ۱۳؍فروری ۱۸۹۹ء کو مولانا فیضی مسجد حکیم حسام الدین (سیالکوٹ) میں مرزا صاحب سے ملے اور صنعتِ مہملہ میں لکھا ہوا ایک قصیدہ مرزا صاحب کے سامنے رکھا تاکہ وہ اس قصیدے کے مطالب پر روشنی ڈالیں۔ مرزا صاحب اپنی ہمہ دانی کے باوجود نہ پڑھ سکے اور قصیدہ واپس کر دیا۔ مولانا فیضی نے ۹؍مئی ۱۸۹۹ء کو "سراج الاخبار" (جہلم) میں ایک اشتہار دیا جس میں یہ واقعہ تفصیل سے درج کر کے لکھا:

"اخیر میں مرزا صاحب کو اشتہار دیتا ہوں کہ اگر وہ اپنے عقائد میں سچے ہوں تو آئیں، صدر جہلم میں کسی مقام پر مجھ سے مباحثہ کریں۔ میں حاضر

ہوں، تحریری کریں یا تقریری۔ اگر تحریری ہو تو نثر میں کریں یا نظم میں، عربی ہو یا فارسی یا اُردو۔ آپ مجھے سُنیے اور سنائیے۔"

مرزا صاحب کی طرف سے خاموشی رہی تو انہیں ایک مکتوب لکھا اور اپنے شائع کردہ اشتہار کی جانب توجہ دلائی۔ ۱۳؍اگست ۱۹۰۰ء کو یہ مکتوب بھی "سراج الاخبار" میں چھپا۔ اس میں مولانا فیضی نے لکھا تھا:

"میں آپ کے ساتھ ہر ایک مناسب شرط پر عربی نظم و نثر لکھنے کو تیار ہوں۔ تاریخ کا تقرر آپ ہی کر دیجئے اور اطلاع کر دیجئے کہ میں آپ کے سامنے اپنے آپ کو حاضر کر دوں۔"

مگر جواب نہ آنا تھا نہ آیا۔ اسی عرصے میں مرزا صاحب پیر مہر علی شاہ صاحب کو چیلنج دیتے رہے تھے۔ پیر صاحب ۲۴؍اگست ۱۹۰۰ء کو مرزا صاحب سے زبانی مباحثے کے لیے بادشاہی مسجد لاہور پہنچ گئے۔ مرزا صاحب یہاں بھی نہ آئے۔ ۲۷؍اگست کو مرزا صاحب کی آمد سے کامل مایوسی کے بعد جلسہ ہوا۔ اس میں مولانا عبدالجبار (غزنوی)، مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مفتی عبداللہ ٹونکی کے ساتھ مولانا فیضی بھی شریک رہے۔ پیر مہر علی شاہ صاحب کے سوانح نگار نے لکھا ہے کہ انہوں نے "در بارۂ غرض انعقاد جلسہ و کارروائی مباحثہ ایک تحریر پڑھی، جس کے آخر میں مولانا صاحب نے ایک پُرزور تقریر میں بالتفصیل یہ بھی بیان کیا کہ اس سے پہلے بھی دنیا میں مرزا جیسے بلکہ اُس سے بڑھ کر بہت سے جھوٹے نبی، مسیح، مہدی ہونے کا دعویٰ کرنے والے پیدا ہو کر اور اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ کر حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹ چکے ہیں۔"[1]

---

[1] مہر منیر ص ۲۴۳ نیز تازیانۂ عبرت ص ۱۲۵ دیکھئے۔

محمد حسین قصوری

مولانا محمد حسین بن میاں غلام احمد بن میاں احمد دین بن میاں نور محمد ۱۲ اکتوبر ۱۸۶۸ء/ ۲۴ رجب ۱۲۸۵ھ کو قصور میں پیدا ہوئے۔ اُن کے اجداد میں سے میاں نور محمد نواحی موضع مرالی سے قصور شہر میں آئے تھے۔ میاں نور محمد کے صاحبزادے میاں احمد دین مفتی شہر کے منصب پر فائز تھے۔ انہوں نے کوچہ جھگیاں میں ایک مسجد تعمیر کروائی تھی جو آج تک "مسجد میاں احمد مرالی" کے نام سے معروف ہے۔

میاں احمد دین کے صاحبزادے اور مولانا محمد حسین کے والد ماجد میاں غلام احمد (م ۱۸۸۸/۶/۱ء - ۶-۵-۱۳۰۵ھ) امرتسر میں فارسی کے معلم تھے۔

مولانا محمد حسین نے ابتدائی مکتبی تعلیم قصور میں حاصل کی۔ بعد میں والد ماجد کے ساتھ امرتسر میں رہے جہاں باقاعدہ تعلیم شروع کی۔ ایف۔ اے کا امتحان دیا تو اُن کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا تاہم انہوں نے ۱۸۹۰ء/۱۳۰۷ھ میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ ایم۔ اے (فلسفہ) میں داخلہ لیا مگر بعض مجبوریوں کے باعث یہ سلسلہ ترک کرنا پڑا۔ ایس۔ اے۔ وی کا پیشہ ورانہ امتحان پاس کر کے شعبہ تعلیم سے منسلک ہو گئے۔

ابتدا میں دو سال ڈیرہ غازی خان میں رہے۔ وہاں سے قصور تبادلہ ہو گیا اور تقریباً دس سال یہاں فرائض منصبی ادا کیے۔ کچھ عرصہ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۲ء/ ۱۷ رجب ۱۳۲۰ھ کو ایک ہندو کی اس شکایت پر سبکدوش کر دیئے گئے کہ وہ ثقل سماعت کے عارضہ میں مبتلا ہیں۔

ملازمت سے سبکدوش ہوئے تو اپنے مرشد پیر سید جماعت علی شاہ کے ارشاد

پھر روہتک چلے گئے اور ڈسٹرکٹ جج کی کچہری میں ہیڈ کلرک آف دی کورٹ ہو گئے۔ چودہ سال روہتک میں قیام رہا پھر حصار سے کرنال تبادلہ ہوا۔ آٹھ سال ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کرنال کی عدالت میں بحیثیت مترجم کام کیا۔ ۱۹۲۶ء میں پنشن حاصل کی اور مستقل طور پر وہیں مقیم ہو گئے۔ ۴ شوال ۱۳۴۵ھ / ۷ اپریل ۱۹۲۷ء کو وفات پائی۔ اگلے دن کرنال میں حضرت شاہ بو علی قلندر کے مزار کے قریب دفنائے گئے۔ مولانا غلام احمد اخگر امرتسری نے حسب ذیل قطعہ تاریخ کہا ع

چوں محمد حسین مولانا	از پئے آخرت کمر بربست !
روز چارم بماہ شوال	رفتہ زیں دار بے بقا بگسست
بے گماں سالکِ طریقت بود	شاغلِ ذکرِ حق بحق پیوست
کلکِ اخگر نوشت سالِ وصال	کوکبِ سالکاں بجنت رفت[1]

۱۳۴۵ھ

مولانا محمد حسین قصوری جن دنوں بی۔ اے کے امتحان کی تیاری کر رہے تھے، پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری لاہور گئے۔ مولانا قصوری نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پیر صاحب نے انہیں خلعتِ خلافت سے نوازا۔ حضرت فقیر محمد چوراہیؒ نے بھی دستارِ خلافت عنایت کی۔

مولانا قصوری کے فارغ اوقات تبلیغ و ارشاد میں گزرتے تھے۔ کئی کئی دن دیہات میں مقیم رہتے اور سادہ لوح دیہاتیوں کو اللہ اور اُس کے رسولؐ کا پیغام سناتے۔ تحریک ارتداد کے زمانے میں اپنے مرشد پیر سید جماعت علی شاہؒ کے ساتھ مراد آباد، بریلی، آگرہ، ایٹہ اور فرخ آباد کے کامیاب دورے کئے۔ اُن کے کارناموں میں سے ایک

[1] خزینۂ فیض قصوری ۲۵

"مسلم راجپوت ہائی سکول کلانور" کا قیام ہے۔ روہتک میں ایک ابتدائی مدرسہ "نصرت الاسلام" قائم کیا جو ایک عرصہ کام کرتا رہا۔

مولانا قصوری تعلیم و تبلیغ کے ساتھ مذہبی موضوعات پر مضامین لکھتے رہتے تھے۔ رسالہ "خدام الصوفیہ" اور "صوفی"، (منشی بہاؤ الدین) میں اُن کی نگارشات ملتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنے ارادت مندوں اور احباب کو تبلیغی مکاتیب ارسال کرتے رہتے تھے۔ مکاتیب کا کچھ حصہ "خزینۂ فیض قصوری" میں شامل کر دیا گیا ہے[1]۔

مولانا قصوری کی اولاد میں صاحبزادہ مولانا نور احمد صاحب ہیں اور دینی و تبلیغی کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔

[1] خزینۂ فیض قصوری ص ۱۵۱-۲۲۶

میاں محمد حسین نقشبندی

مولانا میاں محمد حسین بن کرم الٰہی بن حسن محمد بن برہان الدین ۹ محرم ۱۳۰۰ھ/ ۲۰ نومبر ۱۸۸۲ء کو موضع جھگیاں ناگرہ مضافات لاہور میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد ماجد میاں کرم الٰہی تقویٰ شعار بزرگ تھے اور حقوق العباد کا خاص خیال رکھتے تھے۔

میاں محمد حسین نے ابتدائی تعلیم ڈھولنوال کے پرائمری سکول میں حاصل کی۔ یہاں مشفق استاد مولوی گلاب دین سے خصوصی استفادہ کیا۔ اس کے بعد میر عبدالغفار شاہ (امام مسجد تکیہ سادھواں) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرکے فارسی کتابیں پڑھیں۔ مولانا فتح محمد اچھروی سے تین سال علمی استفادہ کیا۔ اُن کی رحلت پر مولانا عبدالعزیز مزنگوی کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور فقہ و تفسیر کا مطالعہ کیا۔

میاں محمد حسین نے فنِ خوشنویسی میں مولوی نورالدین مرحوم[1] سے استفادہ کیا تھا۔ میاں صاحب فارغ التحصیل ہوئے تو عملی زندگی کا آغاز بحیثیت منشی کیا۔ بیس سال اچھرہ کے بھٹوں میں منشی رہے اور اینٹوں کی آمد و خرچ کے حسابات رکھے مگر اس پیشے میں بھی اُن کی علمی لگن میں کوئی کمی نہ آئی۔ آخر اس شغل کو ترک کرکے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور تادمِ زیست اسے جاری رکھا۔

میاں صاحب مولانا فتح محمد اچھروی سے تعلق بیعت رکھتے تھے۔ صوفیانہ اشغال اور تدریس سے جو وقت بچتا کتب بینی میں صرف کرتے تھے۔ کتاب دوستی کا

[1] مولوی صاحب موضع لنگہ ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے۔ صغر سنی میں لاہور آگئے تھے تمام عمر یہیں بسر کی۔ اونچی مسجد پاپڑ منڈی اندرون شاہ عالمی دروازہ میں رہتے تھے۔ فن کتابت گزر بسر کا ذریعہ تھا۔ تقریباً ۸۰ سال کی عمر میں ۱۹۳۷ء میں فوت ہوئے۔

یہ عالم تھا کہ ضعیف العمری میں بعض نادر اور نایاب کتابوں کی قلمی نقول تیار کیں۔ گاہے ماہے پنجابی اور فارسی میں شعر کہتے تھے اور گدا تخلص کرتے تھے۔

۲۸ دسمبر ۱۹۵۸ء/ ۱۶ جمادی الآخریٰ ۱۳۷۸ھ کو وفات پائی۔ حافظ خادم حسین خطیب جامع مالی لاڈو نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور موضع جھگیاں ناگرہ (لاہور) میں دفنائے گئے۔ پیر غلام دستگیر نامی نے قطعات تاریخ کہے۔ ایک قطعہ یہ ہے:

تھے نام محمد سے حسین ایک جو موسوم
دل جن کا تھا اللہ کے اذکار سے مشحون
مسجد ہی میں مشغولِ عبادت رہے تا عمر
جاں دے کے ہوئے گوشۂ مسجد میں وہ مدفون
نامی نے کہی ہے بے سرِ انکار یہ تاریخ
"حاجی عبدِ مغفور" سنو عالم محزون[1]

۱۳۷۹ - ۱

میاں صاحب مرحوم کے تین فرزند ہیں:

۱۔ حکیم محمد اکرم
۲۔ حاجی محمد اعظم (خوشنویس)
۳۔ محمد عالم مختار حق۔ صاحبِ تصنیف و تالیف ہیں۔

[1] نقوش جمیل ص ۲۵

قاضی محمد دین بُدھوی

قاضی محمد دین بن قاضی سید رسول ضلع راولپنڈی کے گاؤں بُدھو میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کر کے طلب علم کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ فتح جنگ ضلع اٹک میں کچھ عرصہ قیام کر کے مولانا فضل حق رامپوری (م ۱۳۵۹ھ) اور حکیم برکات احمد ٹونکی (م ۱۳۴۷ھ) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کی خاطر رامپور اور ٹونک کے سفر کیے۔ مجموعی طور پر سات سال وطن مالوف سے باہر رہے۔

فارغ التحصیل ہوئے تو اپنے گاؤں میں درس و تدریس کا آغاز کیا۔ منطق و فلسفہ کی کتابوں پر گہری نظر تھی۔ حمد اللہ شرح سُلم العلوم کی کئی کئی سطری عبارتیں نوکِ زبان تھیں۔ اُن سے استفادہ کے لیے بخارا، کابل اور قندھار کے طلبہ "بُدھو" جیسے گاؤں میں آتے تھے جس کی آبادی چند سو نفوس پر مشتمل تھی۔ قاضی صاحب اُردو، پنجابی اور پشتو میں درس دیتے تھے۔ اُن کی تقریر دلنشین اور مؤثر ہوتی تھی۔ اشعار تحت اللفظ پڑھتے تھے مگر ایک ایک مصرعہ پر سامعین کو رُلا دیتے تھے۔

مولانا قاضی محمد دین کی شہرت کا یہ عالم تھا کہ اکثر مدارس دینیہ کے منتظمین اپنے مدارس کی کامیابی اس میں خیال کرتے تھے کہ وہ اُن کے مدرسہ میں تشریف لے چلیں۔ چنانچہ امرتسر، گکھڑ، ملتان (مدرسہ نعمانیہ) سیال شریف، وزیرآباد، بھیرہ، وڈچھا، شرق پور، بندیال، ہری پور اور چکوال میں مقیم رہے۔ آخر میں آبائی گاؤں آ گئے تھے۔ وہیں ۲۵ فروری ۱۹۶۳ء / ۱۱ شوال ۱۳۸۲ھ کو تقریباً اسّی سال کی عمر میں وفات پائی اور عام قبرستان میں دفنائے گئے۔

قاضی مرحوم سے ہزاروں افراد نے اکتسابِ فیض کیا ہے۔ چند نام یہ ہیں:

۱۔ خواجہ محمد قمرالدین سیالوی

۲۔ مولانا بشیر احمد پسروری مرحوم

۳۔ پیر محمد کرم شاہ

۴۔ مولانا محمد عبدالحق بندیالوی

محمد ذاکر بگوی

مولانا محمد ذاکر بن مولانا عبدالعزیز بگوی ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء میں پیدا ہوئے۔ تاریخ "گلِ رنگین محمد ذاکر" ہے۔ والد ماجد نے اُن کی ولادت پر کہا ہے

ہاتفِ غیب آوازہ داد   مذاکرہ کشادہ باد

کتبِ درسیہ اپنے والد ماجد سے پڑھیں اور سولہ سال کی عمر میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ طبیہ کالج دہلی میں حاذق الملک حکیم عبدالحمید خان سے علم طب میں خصوصی استفادہ کیا۔

فارغ التحصیل ہوئے تو لاہور میں عم محترم مولانا غلام محمد بگوی کے ہاں قیام پذیر ہوئے اُن سے تصوف کی بعض کتابیں پڑھیں۔ ایک روایت کے مطابق سلسلۂ نقشبندیہ کے اذکار و اشغال میں اُن سے اجازت یافتہ تھے۔

۱۳۱۱ھ/۹۴-۱۸۹۳ء میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے "مدرسہ حمیدیہ"[۱] میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔ نہایت قابل اور محنتی مدرس تھے۔ بہت جلد اُن کی شہرتِ تدریس دُور دُور پھیل گئی اور طالبانِ علم پروانہ وار رجوع کرنے لگے۔

۱۳۲۲ھ/۰۵-۱۹۰۴ء میں حضرت خواجہ محمد دین سیالوی سے سلسلۂ چشتیہ میں بیعت ہوئے۔ اپنے مرشد سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ مولانا غلام دستگیر بیخود نے حضرت خواجہ محمد دین سیالوی کی حیات اور ملفوظات "برکاتِ سیال" کے نام سے مرتب کیے ہیں۔ وہ

---

[۱] انجمن حمایت اسلام لاہور نے ایک مدرسہ "تعلیم القرآن" کے نام سے قائم کیا تھا۔ جس کے مدرسین میں قاضی خلیفہ حمیدالدین (م ۱۸۸۷ء) بہت نامور تھے۔ ان کی وفات کے بعد مدرسہ کا نام "مدرسہ حمیدیہ" پڑ گیا۔ ۱۹۱۱ء میں یہ مدرسہ انجمن کی خواہش پر بادشاہی مسجد سے منسلک ہو گیا۔

راز ہیں:

"ملفوظات زیادہ تر سید العاشقین حضرت مولانا محمد ذاکر بگوی کی روایات سے لکھے گئے ہیں۔ آپ کے اوقاتِ گرامی توحید و عشق اور اپنے پیرانِ عظام کے ذکر سے معمور تھے۔ حضرت اشرف الاولیاء خواجہ محمد دین سیالوی کے تو وہ نہ صرف مُرید تھے بلکہ مراد تھے۔"[1]

سلسلۂ چشتیہ میں مجازِ خلافت تھے۔ بیخود صاحب نے اُن کے سیرت و کردار ے میں لکھا ہے:

"حسن و جمال میں یکتا، نزاکت و لطافت میں منفرد تھے۔ علم و فضل میں کامل، شریعت و عشق سے بہرۂ وافر رکھتے تھے۔ نہایت خوش مذاق و خوش مزاج تھے۔ دل ذکر و فکر سے معمور تھا۔ زبان اولیاء اللہ کے ذکر سے سرشار تھی۔ عامۃ الناس کو خدا اور رسول کے احکامات کا پابند بناتے تھے۔"[2]

ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی صاحب نے اُن کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"میں ..... ۱۹۱۴ء/۱۹۱۵ء کے سالوں میں ..... اکثر ایک فرشتہ سیرت و صورت شخص کو مسجد کے دروازے کے قریب ہی بڑ کے درخت کے نیچے عام طور پر نماز میں اکثر مصروف دیکھا کرتا تھا۔ آپ کا اسمِ گرامی مولانا الحاج محمد ذاکر ہے ..... آپ کو دیکھا کسی بزرگ مقدس کا دیکھنا تھا۔ میں نے ایسا نورانی چہرہ آج تک نہیں دیکھا۔ آپ مولوی غلام محمد بگوی کے داماد بھی تھے۔"[3]

---

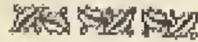
[1] ...ت سیال

[2] ...یضاً

[3] ...ی مسجد لاہور ص ۳۵

۱۱ ربیع الاول ۱۳۴۴ھ / ۱۹ جنوری ۱۹۲۶ء کو لاہور میں وفات پائی۔ نمازِ جنازہ مسجد وزیر خان میں پڑھی گئی اور تابوت بھیرہ بھیجا گیا۔ جہاں خاندانِ بگہ کے قبرستان میں دفنائے گئے۔ مادۂ تاریخ ہے ۱۰:

ذاکر، ذکرِ نبی بود



محمد ذاکر جھنگوی

مولانا محمد ذاکر بن مولانا عبدالغفور ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں محمدی شریف ضلع جھنگ کے
معروف دیندار خاندان میں پیدا ہوئے۔ اُن کے جدامجد میاں محمدی "سلسلۂ سہروردیہ" کے
بلندپایہ بزرگ تھے۔ اُن ہی کے نام پر "محمدی شریف" بستی کا نام ہے۔

ابتدائی تعلیم اپنے خاندان کے بزرگوں اور مولانا محمد حسین مدرس خانقاہ سیال شریف
سے حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند سے سندِ فضیلت حاصل کی۔ اُن کا خاندان سیال شریف
کی خانقاہ سے وابستہ تھا۔ انہوں نے خواجہ ضیاء الدین سیالوی کے ہاتھ پر بیعت
کی تھی۔

مولانا محمد ذاکر دینی تحریکات میں بھرپور حصہ لیتے رہے۔ تحریکِ خلافت میں حصہ
لیا اور گرفتار ہوئے۔ بعد میں مجلس احرارِ اسلام کی "تحریکِ کشمیر" میں کام کیا۔ وہ محمدی شریف
سے ایک قافلے کو کشمیر جانا چاہتے تھے کہ گرفتار ہوگئے اور تین ماہ قید و بند
میں گزارے۔

۱۹۳۱ء/ ۱۳۵۰ھ میں ایک دینی مکتب قائم کیا جو ۱۰ محرم ۱۳۵۲ھ/ ۱۲ مئی ۱۹۳۳ء
کو جامعہ محمدی کی شکل اختیار کر گیا۔ زندگی کے آخری دم تک جامعہ کی ترقی میں کوشاں
رہے مگر جامعہ سے کبھی کوئی مشاہرہ قبول نہ کیا۔ گذر بسر ذاتی زرعی زمین کی آمدنی
پر تھی۔

تحریکِ پاکستان کے زمانے میں مسلم لیگ کے ہم نوا تھے۔ پاکستان بننے کے
بعد ہمہ تن جامعہ کی ترقی میں مصروف ہو گئے تاہم اپنے بلند مقام اور اعلیٰ سیرت و کردار
کے پیشِ نظر ۱۹۵۱ء میں پنجاب اسمبلی کے رکن بنے۔ دوبارہ ۱۹۶۴ء میں مغربی پاکستان
اسمبلی کے رکن چنے گئے۔ تیسری بار ۱۹۷۰ء میں جمعیت علمائے پاکستان کے ٹکٹ پر

قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ اسمبلی میں انہوں نے ہمیشہ حق و صداقت کی آواز بلند کی۔
جمعیت علمائے پاکستان کے ٹکٹ پر منتخب ہونے والے بعض ارکان برسرِاقتدار جماعت
میں شامل ہو گئے تھے۔ مولانا محمد ذاکر اُن باوقار افراد میں سے تھے جنہوں نے ناسازگار حالات
میں بھی اپنی ہمدردیاں تبدیل نہ کیں۔

مولانا محمد ذاکر نے زندگی کے آخری آٹھ سال بیماری میں گزارے۔ اعضاء میں رعشہ
آگیا تھا اور آزادانہ چلنا پھرنا مشکل ہو گیا تھا تاہم یہ تمام عرصہ انہوں نے صبر و شکر سے گزارا۔
۳ ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ/ ۲۵ نومبر ۱۹۷۶ء کو واصل بحق ہوئے۔

مرحوم معتدل مزاج اور صلح کل بزرگ تھے۔ فرقہ وارانہ اختلافات سے کوسوں دُور
تھے۔ اُن کا وجود منافرت زدہ ماحول میں بسا غنیمت تھا۔

حنیف ندوی مصنف کا جھوٹ
مولانا ذاکر جھنگوی کٹر سنی عالم دین تھے۔
ان کا ایک رسالہ گذشتہ ۶۶ سال سے نکل رہا ہے

سیّد محمد زاہد شاہ ہمدانی

سیّد محمد زاہد ہمدانی سادات کے چشم و چراغ تھے۔ اُن کے اجداد میں سے حافظ سیّد محمد ہمدانی قصور وارد ہوئے تھے۔ خاندان میں علم و تقویٰ کی روایت تھی۔ حافظ سیّد محمد سے "مقاماتِ حریریہ" کی شرح یادگار ہے۔

سیّد محمد زاہد قصور میں پیدا ہوئے تھے۔ حافظِ قرآن اور اہلِ سنّت کے متبحر عالم تھے۔ قاضی لاہور، قاضی سعد الدین کے نائب تھے۔ علومِ دینیہ میں دستگاہ کے ساتھ خطِ نسخ کے ماہر تھے۔

سیّد منوّر شاہ بن سیّد رحمت اللہ سے قادری سلسلہ میں بیعت تھے۔ ۱۲۱۹ھ / ۱۸۰۴ء میں قصور میں فوت ہوئے اور ریلوے لائن قصور کے قریب دفنائے گئے۔ طغیانی کے باعث یہ قبرستان معدوم ہو چکا ہے۔ مولانا نجم الدین نے اُن کی رحلت پر نظم لکھی۔ چند شعر یہ ہیں:

سیّد زاہد کہ بُد روشن ضمیر — در ہدایت او سنا و بے نظیر
عالمِ ربّانی و عامل بعلم — بحرِ معنی کانِ تقویٰ کوہِ حلم
حق پرست و حق شعار و حق پسند — با تواضع پست و با ہمّت بلند
سالِ تاریخش چو دل بجدّ بجست — نجم دیں لب بر دہانِ خود نہفت
ہاتفے فرخندہ طالع گفت نیک — در زبانِ عرب رضوان علیک

۱۲۱۹ھ

مرحوم کی اولاد میں دو صاحبزادے عنفوانِ شباب میں انتقال کر گئے تھے۔ دو صاحبزادوں سیّد کامل شاہ اور سیّد ہاشم کی اولاد قصور اور خیر پور ٹامیوالی میں مقیم ہے۔

مرحوم کی حسبِ ذیل تحریریں ملتی ہیں:

١۔ تعلیقات علی عذاب القبر لشرح العقائد (قلمی)
٢۔ احادیثِ مُدرسیہ (")
٣۔ مکتوبات (")

سید محمد زمان شاہ نیازی ہمدانی

سید محمد زمان شاہ بن سید محمود شاہ (معروف بہ باقی شاہ) بن سید محمد شاہ بن سید ہاشم شاہ بن سید محمد زاہد ہمدانی اپنے ننھیال لکھیم کرن میں ١٢٧٢ھ/٥٦-١٨٥٥ء میں پیدا ہوئے۔ اُن کا خاندان کئی نسلوں سے علم و تقویٰ کی سنہری روایات کا حامل تھا۔

سید محمد زمان شاہ کی ابتدائی زندگی اپنے آبائی گاؤں کوٹ مراد خان (قصور) میں گزری۔ مولانا عبدالرسول نقشبندی سے تعلیم کا آغاز کیا پھر مولانا غلام محی الدین قصوری سے رشتۂ تلمذ استوار کیا۔ مولانا غلام دستگیر سے کافیہ، شرح تہذیب اور کنز الدقائق کا درس لیا۔ بعد میں خیر پور ٹامیوالی منتقل ہو گئے۔ مولانا عبدالرحمان خیر پوری، مولانا قاری فضل حق اور مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی (م ١٣٤٥ھ) سے استفادہ کیا اور درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی کو اُن سے تعلقِ خاطر تھا جس کا اظہار اُن کے خطوط سے ہوتا ہے۔ ایک خط میں اپنے شاگرد کو لکھتے ہیں:

"عرصہ کے بعد آپ نے بذریعہ عنایت نامہ یاد فرما کر مشکور فرمایا جزاکم اللہ تعالیٰ۔ بندہ کے دل میں آپ صاحبوں کی وہی محبتِ سابقہ باقی ہے۔ اگر گاہے آپ نے یاد فرمایا تو مسرت بہ نسبت زائد ہوئی ورنہ اصل محبت کامل ہے۔ واقعی کبھی کبھی ملاقات کو دل بھی چاہتا ہے مگر بظاہر حصولِ ملاقات نہایت مستبعد بلکہ محال ہے"[1]

فنِ طب سے دلچسپی تھی۔ ابتداءً حکیم نظام الدین خیر پوری سے استفادہ کیا۔ کافی عرصہ

١؎ [illegible] ہمارے اسلاف ٣٣٦

ملتان میں رہ کر حکیم نصیر الدین سے کتبِ طب پڑھیں۔ آخر میں حکیم حافظ غلام مصطفےٰ القصوری سے فنونِ طب کی تکمیل کی۔

فارغ التحصیل ہو کر ۲۷ دسمبر ۱۸۸۵ء کو نواب بہاولپور کے ذاتی سٹاف میں بھرتی ہو گئے۔ یکم ستمبر ۱۸۹۲ء کو اپنی خدمات محکمہ عدالت میں بطور ریڈر منتقل کرا لیں اور ترقی کرتے ہوئے چیف کورٹ ریاست بہاولپور کے ریڈر ہو گئے۔

سید محمد زمان شاہ نے اپنے استادِ گرامی مولانا اسمٰعیل احمد جہاجری اور مولانا غلام محمد دین پوری سے روحانی فیض حاصل کیا تھا۔ بدعات و رسومات کے تدارک میں کوشاں رہتے تھے۔ جمعہ کو شہر میں وعظ کہتے جس میں اصلاحِ معاشرہ پر زور دیتے تھے۔ اُن کا وعظ سادہ اور مؤثر ہوتا۔ مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور اُن کی خوشحالی ہمیشہ مدِّنظر رکھتے تھے۔ اس مقصد کے لیے سابق ریاست بہاولپور کو بعض مسوّداتِ قانون دیے تھے۔

حق گو عالم تھے۔ اپنے اُستاد مولانا عبدالرحمان خیرپوری سے "طوافِ قبور" کے مسئلے پر اختلاف کیا۔ مولانا خیرپوری طوافِ قبور کے قائل تھے۔ دونوں کی تحریریں "کشف المستور عن طواف القبور" کے نام سے چھپ چکی ہیں۔ علمائے حرمین شریفین نے مولانا سید محمد زمان شاہ کی رائے کو واثق قرار دیا۔ فقہ حنفی پر اس قدر گہری نظر تھی کہ بہاولپور کی عدالتیں اُن کی رائے کو وزن دیتی تھیں۔ بعض اوقات عدالتوں کی طرف سے مقدمات کی مسلیں اُن کے پاس رائے کے لیے بھیجی جاتی تھیں۔

۱۴ شعبان ۱۳۵۵ھ / ۱۰ نومبر ۱۹۳۶ء کو خیرپور میں واصل بحق ہوئے۔ سید غلام محی الدین شاہ ہمدانی اُن کے اکلوتے فرزند ہیں۔

مرحوم بلند پایہ عالم، حاذق طبیب اور صاحبِ ثروت، ہی نہ تھے بلکہ اچھے شاعر بھی تھے۔ نیازی تخلص کرتے تھے۔ اُن کا کلام "صادق الاخبار" (بہاولپور) میں طبع ہوتا رہتا تھا۔ اُردو کے چند شعر بطور نمونہ نقل کیے جاتے ہیں:

ہزاروں یاسمن قرباں کروں میں — جو ملے مجھ کو اگر خارِ مدینہ
ارم قربان ہے صدقے ہے جنت — بہت دلکش ہے گلزارِ مدینہ
بہت بے چین ہوں فرقت میں یا رب — ملا دے مجھ کو غم خوارِ مدینہ
مرا سرمایۂ دانش ہے کافی! — جنونِ عشق ہشیارِ مدینہ

اُن سے حسبِ ذیل کتب یادگار ہیں:

۱۔ دیوان (نعتی) ۲۔ تحفۃ الامیر (نعتی)
۳۔ القصیلی (؍ ، فارسی) ۴۔ رسالہ ابطالِ سرود
۵۔ عمدۃ المناقب (مناقب سیّد عبدالقادر جیلانیؒ)



خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ

خواجہ محمد سلیمان تونسوی بن زکریا بن عبدالوہاب بن عمر خان ۱۱۸۴ھ/۱۷۷۰-۷۱ء میں
گرچی ضلع لورالائی (بلوچستان) میں پیدا ہوئے۔ افغانوں کے جعفر خانی قبیلے سے
تعلق رکھتے تھے۔

خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے والدِ بزرگوار کا انتقال اُن کی شیر خوارگی کے زمانے
میں ہو گیا تھا۔ اُنہوں نے والدہ مکرمہ کی نگرانی میں تربیت پائی۔ چار سال کی عمر میں اپنے
قبیلہ ملا یوسف سے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ اُن سے پندرہ پارے پڑھے۔ بعد
ایک دوسرے عالمِ دین کی نگرانی میں قرآن مجید کی تکمیل کی۔

قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد میاں حسن علی سے استفادہ کے لئے تونسہ (ضلع
ڈیرہ غازی خان) آگئے اور اُن سے فارسی زبان و ادب کے نصاب میں سے پند نامہ عطار،
گلستان سعدی، بوستانِ سعدی وغیرہ چند کتابیں پڑھیں۔ تونسہ سے موضع لانگھ (تونسہ
سے پانچ کوس جانبِ مشرق ایک قصبہ) چلے گئے یہاں کے مولوی ولی محمد سے فارسی
ادبیات کی تکمیل کی۔

فارسی زبان و ادب کا مروجہ نصاب پڑھ کر کوٹ مٹھن تشریف لے گئے۔ جہاں
قاضی محمد عاقلؒ (م ۱۲۲۹ھ) نے علم و نظر کی بزم سجا رکھی تھی۔ اُنہوں نے قاضی محمد عاقلؒ
سے علمی و دینی استفادہ کیا۔ منطق میں "قطبی" تک درسِ نظامی کی کتابیں پڑھیں۔ کوٹ مٹھن
میں مقیم تھے کہ اُنہیں خواجہ نور محمد مہاروی (م ۱۲۰۵ھ) کے اوچ تشریف لانے کی خبر ملی۔
اُن کے حضور میں پہنچے اور بیعت ہو گئے۔ پندرہ سولہ سال کی عمر میں وادیٔ تصوف
میں گامزن ہو گئے۔ اُنہوں نے اپنے پیرِ طریقت سے آدابُ الطالبین، فقرات،

لوائح، عشرۂ کاملہ اور فصوص الحکم کا درس لیا۔

۱۱۹۹ھ/۸۵-۱۷۸۴ء میں خواجہ مہاروی کے حکم پر دہلی کا سفر کیا۔ سفر کے مقاصد
میں اہم ترین مقصد شاہ فخرالدین دہلوی (م ۱۱۹۹ھ) سے استفادہ تھا۔ مگر ان کے دہلی پہنچنے
سے پہلے شاہ صاحب وصال پا چکے تھے۔

خواجہ محمد سلیمان نے اکیس سال کی عمر میں خلافت حاصل کی اور تونسہ میں ڈیرے ڈال
دیئے۔ یہیں ساٹھ سال تبلیغ و اشاعتِ دین میں مصروف رہے۔ اُنہوں نے تونسہ اور
اس کے گرد و نواح میں کئی مدارس قائم کئے جن کے بارے میں مجمل معلومات ملتی ہیں۔[ل]
تونسہ اُن کے دم قدم سے ایک عظیم دارالعلوم بن گیا تھا۔ خواجہ تونسوی خود درس دیتے
تھے۔ اپنے ارادت مندوں کو تصوف کی معروف کتابوں میں سے احیاءالعلوم (امام غزالیؒ)
اور فتوحاتِ مکیہ (ابن عربی) پڑھاتے تھے۔ موصوف قرآن و سنّت پر گہری نظر رکھتے تھے۔
اُن کے ملفوظات میں اکثر قرآن و سنّت کے حوالے ملتے ہیں۔ فقہ حنفی پر عبور رکھتے تھے
اور حسبِ ضرورت مندوں کی راہنمائی کرتے تھے۔

خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ نے ابتدائی زندگی غریب الوطنی میں بسر کی۔ حصولِ خلافت
کے بعد تونسہ کو مستقل مستقر بنایا تو غربت و عُسرت کا دور تھا۔ مگر جلد ہی دنیا بدل گئی۔
اُن کی شہرت دُور دُور تک پھیل چکی تھی۔ دہلی سے مولوی حیات علی اور صاحبزادہ نظام الدین
پہر مکالے صاحب اپنی رُوحانی پیاس بجھانے اُن کے در دولت پر حاضر ہونے۔
بلند پایہ اہلِ علم کے ساتھ ساتھ اہلِ جاہ و حشم بھی اُن کے آستانے پر حاضری دیتے
ہوئے فخر محسوس کرتے تھے۔ شاہ شجاع (افغانستان) اُن کی خانقاہ میں عقیدت و
احترام کے ساتھ حاضر ہوا۔ نواب آف بہاولپور کو اُن سے ارادت مندانہ تعلق تھا۔ اہلِ دولت

ل تاریخ مشائخ چشت ص ۶۲۱

کے رجوع کے باوجود خواجہ تونسویؒ کے استغنار کا وہی عالم رہا اور کبھی فارغ البالی کی زندگی گزارنے پر رضامند نہ ہوئے۔ ان کے مزاج میں قناعت اور توکل کی صفات بدرجہ اتم تھیں۔

خواجہ تونسویؒ ۷ رصفر ۱۲۶۷ھ/ ۱۲ دسمبر ۱۸۵۰ء کو فوت ہوئے۔[۱] نواب بہاولپور نے ستر ہزار روپے کی خطیر رقم خرچ کر کے مقبرہ بنوایا۔ مولوی حسین علی فتح پوری نے خواجہ تونسوی کا قطعۂ وصال کہا۔[۲]

سلیمانِ زماں رحلت چو فرمود
یکایک در جہاں ظلمت بیفزود
پئے سالِ وفاتش ہاتفِ غیب
بگفتا اوآفتابِ چشتیاں بود

۱۲۶۷ھ

خواجہ تونسویؒ کی اولاد میں دو صاحبزادے۔ خواجہ گل محمد اور خواجہ درویش محمد تھے۔ دونوں خواجہ صاحب کی زندگی میں فوت ہو گئے تھے۔ اس لئے اُن کے پوتے خواجہ اللہ بخش تونسوی جانشین ہوئے۔

خواجہ تونسویؒ باسٹھ سال مسندِ ارشاد پر فائز رہے۔ ایک لاکھ سے زائد افراد نے کسبِ فیض کیا۔ اُنہوں نے کثرت سے خلافت و اجازت دی۔ اُن کے خلفاء میں سے بیش ستر کے نام ملتے ہیں۔[۳] چند اہم نام یہ ہیں۔

---

[۱] مفتی غلام سرور لاہوری نے تاریخ وفات ۹ رصفر لکھی ہے۔ (حدیقۃ الاولیاء ص ۱۱۲)
[۲] مناقب المحبوبین ص ۱۹۹۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۶۶۲
[۳] حدیقۃ الاولیاء ص ۱۱۱

۱۔ مولانا محمد علی مکھڈی
۲۔ مولانا محمد علی خیر آبادی (م ۱۲۶۶ھ)
۳۔ مولانا نور جہانیاں بہاولپوری
۴۔ مولانا فاضل شاہ (گڑھی افغاناں)
۵۔ مولانا نور محمد نارووالہ
۶۔ مولانا امام الدین مؤلف "نافع السالکین"
۷۔ حاجی نجم الدین مؤلف "مناقب المحبوبین"
۸۔ مولانا شمس الدین سیالوی

خواجہ تونسویؒ سے کوئی تصنیف یادگار نہیں ہے تاہم اُن کے ملفوظات اور افادات اُن کے مریدوں نے یکجا کئے ہیں۔ چند اہم کتابیں یہ ہیں:

۱۔ مناقب المحبوبین ۔ حاجی نجم الدین (مطبوعہ)
۲۔ نافع السالکین ۔ مولانا امام الدین (")
۳۔ منتخب المناقب ۔ یار محمد ذوقی (غیر مطبوعہ)
۴۔ راحت العاشقین ۔ مولوی محمد (")

آخر الذکر دونوں غیر مطبوعہ کتابیں کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈی، مکھڈ کی زینت ہیں۔[۱]

---

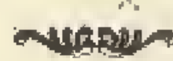
[۱] مجمل فہرست کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈی

پیر محمد شاہ جیلانی

پیر محمد شاہ جیلانی سادات گیلانی کے چشم و چراغ تھے۔ اُن کے اجداد میں سے سید محمد
رحمۃ اللہ علیہ برصغیر پاک و ہند میں وارد ہوئے۔ پیر محمد شاہ علوم متداولہ میں مہارت رکھتے
۔ فن کیمیا کے ماہر تھے۔ جفر و نجوم، عملیات اور طبابت میں اُن کا مرتبہ بلند تھا۔
۱۰ سال کی عمر میں ۱۹ محرم ۱۳۳۰ھ / ۹ جنوری ۱۹۱۲ء کو فوت ہوئے۔ اُن کا مزار سنجر پور کے
ب ایک میل جانب شمال مشرق ہے۔ یہ بستی اُن کے نام سے منسوب "محمد آباد" ہے۔
پیر محمد شاہ جیلانی مرحوم کی اولاد میں تین صاحبزادے حاجی سید احمد شاہ جیلانی، سید مبارک شاہ
نی اور سید امام شاہ جیلانی تھے۔ ان میں سے سید مبارک شاہ جیلانی اپنے والد گرامی کے علم و
ں کے امین تھے۔ انہوں نے محمد آباد میں "مبارک اُردو لائبریری" قائم کی جو پنجاب کے اچھے
ب خانوں میں سے ایک ہے۔ مولانا عبدالرشید نسیم (طالوت) نے اس کتب خانے کے بارے میں
تھا:

"اُردو ادب کا جس قدر ذخیرہ آپ کے پاس جمع ہے اتنا شاید ہی
کسی فردِ واحد کے ذوق نے جمع کیا ہوگا۔"[1]

سید مبارک شاہ جیلانی ۱۴ نومبر ۱۹۶۹ء / ۱۰ رمضان ۱۳۸۹ھ کو محمد آباد میں فوت
ئے۔ آج کل اُن کے صاحبزادے سید انیس شاہ جیلانی "مبارک اُردو لائبریری" کے
ے میں گراں قدر اضافے کر رہے ہیں۔



[1] ۔۔۔ مبارک، ص ۱۰۱

حافظ سید محمد شاہ نیک اختر نوشاہی

خانوادہ نوشاہی کے چشم و چراغ حافظ سید محمد شاہ نیک اختر بن سید محمد امین ۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۴-۶۵ء میں متولد ہوئے۔ علوم مروجہ کی تحصیل اپنے والد ماجد، عم عالی قدر سید محمد شفیع (م ۱۳۱۱ھ) اور سید غلام قادر بن سید عبداللہ نوشاہی سے کی۔ فقہ، ادب اور طب کی کچھ کتابیں مولانا جمال الدین حنفی گاکھڑوی سے پڑھیں۔

والد ماجد سے بیعت تھے اور اُن کی وفات پر زینت سجادہ ہوئے۔ تبلیغ اور اصلاح و ارشاد میں زندگی گزاری البتہ تبلیغ میں خاص سے متشدد تھے۔

۵۵ سال کی عمر میں ۲۲ محرم ۱۳۳۷ھ / ۲۹ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو دُنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔

حافظ سید محمد شاہ نیک اختر پاکیزہ ادبی ذوق رکھتے تھے۔ اُن کی حسب ذیل تحریریں خطی نسخوں کی صورت میں کتب خانہ نوشاہیہ ساہن پال کی زینت ہیں:

۱۔ فہرست تفسیر حسینی
۲۔ روزنامچہ محمد شاہی مرتبہ سید شریف احمد شرافت نوشاہی
۳۔ کتاب الفوائد " " " " (متعلق مناقب و تواریخ بزرگان)
۴۔ مجربات محمد شاہی " " " "
۵۔ مکتوبات محمد شاہی " سید بشیر احمد بشارت نوشاہی
۶۔ ملفوظات نوشاہی " سید شریف احمد شرافت نوشاہی

اُن کے دو صاحبزادے ہوئے۔

۱۔ سید سرور عالم۔ ساکن دولت نگر پاتی
۲۔ سید غلام مصطفےٰ نوشاہی (م ۱۳۸۴ھ) جانشین ہوئے۔

محمد شریف کوٹلوی

مولانا محمد شریف بن مولانا عبدالرحمان کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔
...م درسیہ کی تکمیل اپنے والد ماجد سے کی۔ اُن کے وصال کے بعد برصغیر کے ممتاز علماء
...ے علمی استفادہ کیا۔ فقہ حنفی پر گہری نظر رکھتے تھے اور اہل حدیث حضرات کے خلاف
...رانہ رنگ میں لکھتے رہتے تھے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری (م ۱۳۶۷ھ) کے اخبار "اہلحدیث"
...ے مشمولات کے جواب میں اُن کے کئی مضامین شائع ہوئے۔ اسی خدمت کے پیش نظر
...لانا احمد رضا خان بریلوی نے اُنہیں "فقیہ اعظم" کا خطاب دیا تھا۔

مولانا محمد شریف مقبول مقرر تھے۔ وعظ و ارشاد میں ایک اسلوبِ خاص رکھتے تھے۔
...یک آزادی میں مسلم لیگ کے ہم نوا تھے اور اُن کی اثر انگیز تقاریر نے مسلم لیگ کے
...ول بنانے میں اہم حصہ لیا۔

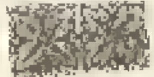
خواجہ حافظ عبدالکریم نقشبندیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اُن کی طرف سے خلافت
...ے نوازے گئے تھے۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی نے بھی اُنہیں خلافت و اجازت
...ت کی تھی۔

نوّے سال کی عمر میں ۱۵، جنوری ۱۹۵۱ء / ۷، ربیع الآخر ۱۳۷۰ھ کو عالم فانی سے
...م جاودانی کو رخصت ہوئے۔ مولانا ابوالنور محمد بشیر (مدیر "ماہِ طیبہ") اُن کے جانشین ہیں
مولانا محمد شریف مرحوم کے قلم سے پچاس کے لگ بھگ کتابیں نکلی ہیں۔ اہم ترین
...ہیں:

۱۔ نماز حنفی مدلل — ۲۔ کتاب التراویح
۳۔ صداقت الاحناف — ۴۔ کشف الغطاء

۵۔ تصورِ شیخ — ۶۔ ضرورتِ فقہ
۷۔ اربعین حنفیہ — ۸۔ فرقہ شیعہ کی ابتدا
۹۔ وہابیہ سے مناکحت — ۱۰۔ مستورات کی نماز
۱۱۔ اربعین نبویہ — ۱۲۔ تائید الامام باحادیث خیر الانام
۱۳۔ کتاب الوتر — ۱۴۔ دعا بعد جنازہ

علمائے اہل حدیث سے اکثر مباحثہ و مناظرہ کرتے رہتے تھے۔ گاہے ماہے اُردو، فارسی اور عربی میں شعر کہتے تھے۔



محمد شریف نوری قصوری

مولانا محمد شریف نوری بن مولانا محمد دین ۱۳۵۳-۵۴ھ / ۱۹۳۵ء میں ضلع گجرات کے معروف
گاؤں چکوڑی میں پیدا ہوئے۔ میٹرک کا امتحان کنجاہ سے پاس کیا اور علوم دینیہ کی تعلیم کے لئے
دارالعلوم حنفیہ بصیر پور (ضلع ساہیوال) میں داخل ہوئے۔ مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی سے
استفادہ کیا اور اُن کی نسبت سے "نوری" کا لاحقہ اپنے نام کا جزو بنایا۔ ۱۹۵۳ء / ۱۳۷۲ھ
میں اجازتِ حدیث حاصل کی۔ ۱۹۵۴ء / ۷۴-۱۳۷۳ھ میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل اور ۱۹۵۵ء /
۱۳۷۵ھ میں ادیب فاضل کے امتحانات پاس کئے۔

علوم دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہو کر قصور میں خطیب مقرر ہوئے اور مسلسل آٹھ سال
فرائضِ خطابت انجام دیئے۔ اُن کی آواز میں سوز اور گفتگو میں بلا کی تاثیر تھی۔ بہت جلد خطیب
کی حیثیت سے اُن کی شہرت دُور و نزدیک پھیل گئی۔ قصور سے لاہور آ گئے۔ پہلے مسجد
سبیل والی (شاہ عالم مارکیٹ) اور پھر سرلے محمد دین چند میں امام و خطیب رہے۔ آخر میں جامع مسجد
محمدیہ (راوی روڈ) اُن کے سواعظ سے گونجنے لگی۔ انہوں نے مسجد کی تعمیر میں دلچسپی لی اور ایک
دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی۔

مولانا نوری کو سیر و سیاحت کا شوق تھا۔ ۱۳۸۴ھ / ۶۵-۱۹۶۴ء میں عراق کا سفر اختیار
کیا اور واپسی پر فریضہ حج ادا کیا۔ چوتھی بار ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء میں ارضِ حجاز گئے اور واپسی پر راستے
میں بیمار ہو گئے۔ یہی بیماری جان لیوا ثابت ہوئی۔ ۲۸ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ / ۱۲ مئی ۱۹۷۲ء
کو فوت ہوئے۔ نماز جنازہ سید ابوالبرکات سید احمد نے پڑھائی اور جامعہ محمدیہ (راوی روڈ) کے
صحن میں دفنائے گئے۔

مولانا نوری خوش بیان واعظ تھے۔ تقریر و وعظ عموماً پنجابی میں کرتے تھے۔ اُن کی

دلپذیر تقریروں سے متاثر ہو کر کلارک آباد (نزد راوی روڈ) کے دو ہزار عیسائی حلقۂ اسلام میں
داخل ہو گئے تھے۔ فنِ تقریر میں کمال رکھنے کے ساتھ ساتھ قلم و قرطاس سے بھی تعلق رکھتے
تھے۔ قصور کے زمانۂ قیام میں محمد علی ظہوری صاحب کے تعاون سے ماہنامہ "نور و ظہور"
جاری کیا تھا جو زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا۔ لاہور آئے تو ماہنامہ "الحبیب" کا اجراء کیا جو چند
سال اُن کی ادارت میں چھپتا رہا۔ رسائل و جرائد کے مقالات کے علاوہ اُن کی مستقل تصنیفات
یہ ہیں:

۱۔ بادہ تقریریں

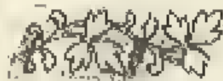
۲۔ آفتابِ سنت در جواز سنت (تالیف، فردوس علی شاہ صاحب)

۳۔ نشری تقریریں

۴۔ مسئلہ گیارہویں

۵۔ حرمتِ تعزیہ داری

۶۔ عرب کا مسافر



محمد شفیق بگوی

مولانا محمد شفیق بگوی بن مفتی غلام محمد خاندانِ بگہ کے چشم و چراغ تھے۔ اپنے والد ماجد کے انتقال (۱۳۱۹ھ) پر شاہی مسجد لاہور کے امام و خطیب مقرر ہوئے ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء میں شاہی مسجد کا انتظام و انصرام کرنے والی انجمن اسلامیہ لاہور سے اختلاف پیدا ہوا اور وہ اس منصب سے الگ ہو گئے۔

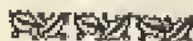
مسجد کی امامت و خطابت کے علاوہ گورنمنٹ کی فرمائش پر قیدیوں کو وعظ و نصیحت کرنے سنٹرل جیل جایا کرتے تھے اور ایچی سن کالج میں عربی و دینیات کی تعلیم دیتے تھے۔

شاہی مسجد کی امامت سے الگ ہو کر اپنے وطن بگہ واپس چلے گئے اور آخر اپنی زرعی اراضی کے انتظام کے لیے موضع سن تحصیل و ضلع شیخوپورہ میں سکونت پذیر ہو گئے اور وہیں وفات پائی۔

باوضع بزرگ تھے۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی صاحب نے لکھا ہے کہ:

"عید کے روز نہایت شان و شوکت سے مولوی صاحب مسجد میں تشریف لاتے تھے۔۔۔۔ اور عید کے روز دورانِ خطبہ امام مسجد کو قزلباش خاندان کی طرف سے ایک دستار بھی رسماً دی جاتی تھی"[1]

مولانا محمد شفیق کے دو صاحبزادے مولوی مشتاق احمد اور حافظ نیاز احمد تھے۔



[1] بادشاہی مسجد لاہور ص ۲۳

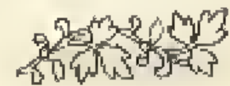
حافظ محمد صدیق لالی

حافظ محمد صدیق لالی، قصبہ لالیاں ضلع جھنگ کے رہنے والے تھے۔ ۱۱۵۲ھ/۱۷۴۰-۱۷۳۹ء
… پیدا ہوئے تھے۔ انہوں نے حضرت شاہ علیم چنیوٹی سے تعلیم حاصل کی۔ قصبہ پیر کوٹ سدھانہ
… سید عبدالقادر جیلانی ثانی (م ۱۲۰۰ھ) کے ہاتھ پر سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے
… انہوں نے خلافت سے سرفراز کیا۔

سید عبدالقادر جیلانی ثانی کی وفات کے بعد چنیوٹ میں مقیم رہے۔ آخر میں قصبہ
… آ گئے تھے۔ وہیں ۱۲۱۱ھ/۹۷-۱۷۹۶ء میں فوت ہوئے۔

حافظ محمد صدیق پنجابی اور فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے۔ اپنے وقت کے جید عالم اور
… تھے۔ ان سے حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں:

… بحر العشق	۲۔ نور الحقیقت
… رسالہ چہل حدیث	۴۔ رسالۃ القرآن
… رسالہ الجلیل	۶۔ بلیس لوڑے
… عبرت نامہ	۸۔ فرحت نامہ
… حلیہ شریف	



قاضی محمد عاقلؒ

خواجہ قاضی محمد عاقل بن مخدوم محمد شریف بن مخدوم محمد یعقوب بن مخدوم نور محمد کوریجہ[1] ایک صاحب وقار فاروقی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔[2] مخدوم نور محمد دفن تحصیل لودھراں عہد شاہجہان کے بلند مرتبہ صوفی تھے اور وزیر شاہجہان ان کا مرید تھا۔ شاہجہان نے ۵ ربیع الاول ۱۰۴۴ھ کے ایک فرمان کے ذریعہ پانچ ہزار بیگہ اراضی اخراجات خانقاہ کے لئے دی اور بعد کے مغل بادشاہوں نے اسے برقرار رکھا۔

قاضی محمد عاقل کے پوتے مخدوم محمد شریف قصبہ بارا وال میں آباد ہوئے تو مٹھن خان جلوانی رئیس بارا وال ان کا معتقد و مرید ہو گیا۔ اسی مٹھن خان نے مخدوم محمد شریف کے کہنے پر "مٹھن کوٹ" کی بنیاد رکھی اور مخدوم محمد شریف وہاں منتقل ہو گئے۔[3]

---

[1] بعض تذکرہ نگاروں نے ان کا نام "عاقل محمد" لکھا ہے دیکھ: ذکر کرام ص ۹۶ - ۹۷

[2] شاہی فرامین میں اس خاندان کے افراد کو "کوریجہ" لقب سے پکارا گیا ہے۔ اس سے ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ یہ خاندان ہندی الاصل ہے۔ حاجی نجم الدین مؤلف "مناقب المحبوبین" نے اس لقب کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ قاضی صاحب کے خاندان کے ایک بزرگ مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے گئے اور پوچھا کہ اذان ہو چکی ہے؟ تو حاضرین نے نفی میں جواب دیا تو انہوں نے قریب رکھے ہوئے مٹی کے ایک برتن کو اٹھایا اور کہا کہ اسے کوزہ تو اذان کہہ۔ اس وقت سے وہ "کوریجہ" معروف ہوئے۔ کوزہ کو سندھی زبان میں "کور" کہتے ہیں اور کہنے کے لئے "چوء" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ "کور اچوء" (اے کوزے کہہ) تھا جو کوریجہ بن گیا۔

[3] ۱۰۰۰ھ میں مٹھن کوٹ میں منتقل ہوئے تھے (ذکر کرام ص ۹۶)

قاضی محمد عاقل ۱۱۵۱ھ/۳۹-۱۷۳۸ء میں پیدا ہوئے۔ چھوٹی عمر میں قرآن مجید
لیا اور بیکانیر کے زمان و محدث دوران" والد مخدوم محمد شریف سے درسیات مروّجہ کی
ہل کی۔ بعد میں شاہ فخرالدین دہلوی اور خواجہ نور محمد مہاروی سے اکتساب فیض کیا تھا۔ آخرالذکر
انہوں نے حدیث میں سند حاصل کی تھی۔[1] خواجہ گل محمد احمد پوری نے ان کے تبحر علمی
ر۔ ے یوں لکھا ہے کہ:

"در عصر خود شرقاً غرباً مماثل آنحضرت در علم ظاہری ہم کسے نبود......
خلوص علم از اصول و فروع بارہا شاہد بود کہ بدرجہ اجتہاد رسیدہ بود"[2]

فارغ التحصیل ہوکر کوٹ مٹھن میں ایک درس گاہ کی بنیاد رکھی اور درس و تدریس
مروف ہو گئے۔ بعد میں شدراں منتقل ہوئے تو وہاں بھی مدارس قائم کیے اور
ینی کی ترویج و اشاعت میں مصروف رہے۔
قاضی محمد عاقل کے بڑے بھائی قاضی نور محمد ڈیرہ غازی خان میں ٹھیکیداری کرتے
۔ ایک مرتبہ ٹھیکے کی رقم ادا نہ کر سکے تو ناظم ڈیرہ نے قاضی محمد عاقل کو جو ضامن تھے
ر کر لیا۔ نو ماہ قاضی صاحب قید و بند میں رہے۔
قاضی صاحب خواجہ نور محمد مہاروی کے ممتاز ترین خلفاء میں تھے۔ پنجاب
سلہ نظامیہ کی اشاعت میں انہوں نے نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ احکام شریعت
ت نبوی کا بطور خاص خیال رکھتے تھے اور اپنے ارادت مندوں کو اتباع نبوی
م دیتے تھے۔ بلند اخلاق، خوش پوش، قلیل الطعام اور خندہ رو شخصیت تھے۔
ثانی ان کا قدردان تھا۔ شہزادہ جہاں خسرو اور اکبر شاہ ان کے مریدوں

۔ سیر الاولیاء ص ۱۷۹-۱۸۰
یضاً ص ۱۳۹

میں نمایاں تھے۔ بہادر شاہ ظفر نے ان کے بارے یوں کہا ہے ع

صحبت پیر مغاں ہم کو خوش آئی ہے بدل
ہم ہیں عاقل ربط عاقل سے دلی رکھتے ہیں ہم

قاضی صاحب تقریباً چار ماہ بیمار رہ کر ۸ رجب ۱۲۲۹ھ/۲۶ جون ۱۸۱۴ء کو شدراں
میں فوت ہوئے۔ میت کوٹ مٹھن لا کر سپرد خاک کی گئی۔ قطعہ وصال یہ ہے:

دل ز داغ درد چوں سوزد لہب	جاں طبیب شد چو گیا سخن گوید طبیب
رفت از دار فنا سوئے بقا	رہبر دین ہدیٰ عالی نسب
مظہر نور محمد فخر دیں	شہ محمد عاقل محبوب رب
ہادی خلق خدا رفت از جہاں	حسرتا دردا و دریغا صد عجب
آہ واویلا و صد افسوس درد	کز جہاں نور جہاں شد محتجب
شمع تیرگی گشت و نماندہ صاف درد	درد باقی بہر مست و مضطرب
چوں کہ تاریخ و مہ سال وصال	از دل پُر درد و خود کردم طلب
مرز حسیب بیخودی برکرد و گفت	روز ہشتم بود از ماہ رجب

قاضی صاحب کے صاحبزادہ میاں احمد علی (م ۴ شعبان ۱۲۳۱ھ) سجادہ نشینی
پر بیٹھے۔ یہ سلسلہ اصلاح و تلقین تا حال قائم ہے۔
قاضی صاحب کے چند اہم خلفاء کے نام یہ ہیں:

۱۔ خلیفہ محمد اکبر (م ۳ ربیع الاخریٰ ۱۲۴۹ھ)
۲۔ مولوی عبداللہ۔ جید عالم تھے۔ شاہ کلیم اللہ دہلوی کی تالیف "تسنیم" کی شرح تقسیم
لکھی اور منطق کے رسالہ ایساغوجی پر حاشیہ لکھا۔
۳۔ مولوی محمد معظم (م ۲۰ ذی الحجہ ۱۲۴۴ھ)
۴۔ خواجہ گل محمد احمد پوری مؤلف "تکملہ سیر الاولیاء"

محمد عبدالعلی متالوی

مولانا محمد عبدالعلی متالوی بن خواجہ محمد امین متال ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے ۔ والد
علوم مروجہ کی تحصیل کی اور اُن کی مسندِ علم و درس کو رونق بخشی ۔ مولانا محمد عبدالعلی ضلع
میں اپنے تفقہ فی الدین کی بدولت مرجع عوام تھے ۔ دُور دُور سے حاجت مند لوگ
فتویٰ لینے آتے تھے ۔

مولانا موصوف زندگی بھر سیاسی ہنگاموں سے کنارہ کش رہے ۔ اُن کا اوڑھنا بچھونا کتابیں
کتابیں تھیں ۔ موصوف نے فقہ کے موضوع پر ایک نادر اور عمدہ کتب خانہ فراہم کیا تھا
کتابوں کی نقلیں خود تیار کرتے تھے اور اللہ تعالےٰ نے فنِ خوشنویسی سے اُنہیں
عطا کیا تھا ۔

سلسلۂ نقشبندیہ میں اپنے والد ماجد سے مجاز تھے تاہم اپنے چچا خواجہ محمد حبیب اللہ
) سے بھی تعلقِ ارادت تھا ۔ خواجہ محمد حبیب اللہ نے اُنہیں حسبِ ذیل اجازت نامہ
تھا :

بسم اللہ الرحمان الرحیم ۔ مسمّی مولوی عبدالعلی ولد حافظ محمد امین رحمۃ اللہ علیہ
فقیر آمدہ اجازتِ طریقت خواست ۔ بندہ زوالد خود خواجہ احمد جی صاحب
داشت ، واوشاں از حضرت نتھیالوی واوشاں از حضرت تیراہی
القیاس تا آخر سلسلہ کہ با بکر صدیق رضؓ و رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم
و نیز اجازت از حضرت تیراہی دادم ، بخوشی خود مسمّی مذکور را اجازت
طرق کہ این چنیں از پیرانِ خود دادم دادم ، خصوصاً طریقۂ نقشبندیہ
اجرا کوشش کردم بشرطیکہ بر شرع شریف قائم و بر گفتۂ فقرا دائم

Dyal Singh Trust Library

این الفاظ برائے سند نوشتہ کردم کہ یادداشت باید ۔ واللہ یہدی من یشاء
الیٰ صراطٍ مستقیم ۔ ۱۲

فقیر حبیب اللہ بزبانِ خود اجازت داد " [1]

مولانا محمد عبدالعلی نے ۲۵ ربیع الاخریٰ ۱۳۶۳ھ / یکم مئی ۱۹۴۴ء کو وفات پائی ۔ صاحبزادہ
مولانا اصغر علی متالوی اُن کے جانشین ہیں ۔

مولانا متالوی مرحوم سے مناظرانہ انداز کے چند رسائل یادگار ہیں مگر اُن کا اصل کارنامہ
" فتاوی متالیہ " ہے جو ہنوز زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہوا ۔ اگر یہ " مجموعہ فتاوی " شائع ہوا تو
فقہ حنفی کے موضوع پر ایک اچھا اضافہ ہوگا ۔

Dyal Singh Trust Library

---

[1] ماہنامہ الاسلامی ۔۔۔ لاہور ، بابت اکتوبر ۱۹۶۱ء ، ص ۲۷

محمد علی مکھڈی

مولانا محمد علی قریشی بن محمد شفیع بن محمد داؤد جلال آبادی کا آبائی وطن بٹالہ (مشرقی پنجاب، ہند) ہے۔ وہیں ۱۷۵۱ء/۵۲/۱۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ابھی خورد سال تھے کہ اُن کے والدین فوت ہو گئے۔ اُن کے برادرِ بزرگ مولانا عبدالرسول نے اُن کی تعلیم و تربیت کی۔ ابتدائی مکتبی تعلیم اُن ہی کی نگرانی میں حاصل کی۔ حصولِ تعلیم کے لئے مختلف مقامات پر قیام کیا۔ اُن کے اساتذہ میں مولانا اسد اللہ بہاول پوری، میاں مصطفیٰ جی پشاوری، میاں مرتضیٰ جیالی اور مولانا محکم الدین مکھڈی کے نام ملتے ہیں۔ مولانا محکم الدین سے میر زاہد کے اسباق پڑھ رہے تھے کہ اُن کا انتقال ہو گیا۔ مکھڈ کے پیر پراچہ خاندان نے اُن سے استدعا کی کہ وہ واپس وطن جانے کے بجائے اپنے اُستادِ محترم کے درس کو جاری رکھیں۔ چنانچہ مولانا محمد علی نے گاؤں کی بڑی مسجد میں درس و تدریس شروع کر دی۔ وہ مسجد آج تک "مسجد مولوی صاحب" کے نام سے مشہور ہے۔

مولانا محمد علی کسی ولیٔ کامل کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے تھے۔ اُنہیں معلوم ہوا کہ علاقہ سون سکیسر میں ایک بزرگ میاں ابراہیم ہیں۔ چنانچہ اُن کے ہاں بیعت کے ارادے سے گئے مگر جب میاں ابراہیم کے گاؤں پہنچے تو معلوم ہوا کہ:

"میاں صاحب نماز با جماعت ادا نہیں فرماتے۔ علیحدہ اپنے مکان میں پڑھتے ہیں۔ تب حضرت مولانا نے فرمایا کہ جو شخص ایسی سنّتِ مؤکدہ کا تارک ہے میں اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں نہیں دیتا۔"[1]

چنانچہ واپس مکھڈ آ گئے اور اپنے شاگرد خواجہ شمس الدین سیالویؒ کو ہمراہ لے کر

---

[1] تذکرۃ الاولیاء ص ۲۱

تونسہ شریف گئے۔ چھ ماہ تونسہ میں مقیم رہے اور خواجہ محمد سلیمان تونسوی سے بیعت ہوئے۔ خواجہ تونسویؒ نے خلافت و اجازت سے سرفراز کیا۔

مولانا محمد علی مکھڈ میں ارشاد و ہدایت کے ساتھ ساتھ درس و تدریس میں مشغول رہے۔ مولانا قطب الدین غور غشتویؒ اُن کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

"میرے دادا صاحب فرماتے تھے کہ علم ظاہری کا شغل، باطنی کمالات کا پردہ ہو جاتا ہے لیکن میں حضرت مولانا کے کمالات سے حیران ہوں کہ باوجود شغل علم ظاہری کے علم باطن کا موجزن ہے اور علم ظاہری کمالاتِ باطن کا حجاب نہیں ہو سکا۔"[1]

مؤلف "تعمیرِ عارفان" نے اُن کے بارے میں لکھا ہے:

"مولانا شاہ محمد علی مکھڈی کہ فضیلت کمال و تبحر در معقول و منقول داشتہ طبع موزوں و فکر رسا در طریقت استعداد کافی و در سخا و رضا و صبر و تحمل و صفا منزلتِ رفیع و در تعلیم طالبان خاصیتِ کیمیا۔"[2]

۲۹ رمضان ۱۲۵۳ھ/ ۲۷ دسمبر ۱۸۳۷ء کو طلوعِ صبح سے پہلے انتقال ہوا۔ قاضی بہاء الدین نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور اسی روز مکھڈ میں دفنائے گئے۔ "رئیس المشائخ" (۱۲۵۳ھ) سے سالِ وفات نکلتا ہے۔

مولانا محمد علی نے تمام زندگی تجرد میں بسر کی۔ اُن کے دس خلفاء کے نام ملتے ہیں۔ چند اہم ترین یہ ہیں:

۱۔ محمد عابد جی (م ۱۲ ربیع الاول/جمادی الاخریٰ ۱۲۶۴ھ) ۲۔ خواجہ زین الدین

---

[1] تذکرۃ الاولیاء ص ۳۶ [2] تعمیرِ عارفان ص ۔ مؤلف "مناقب المحبوبین" نے بھی "عالم علوم ظاہری و باطنی" قرار دیا ہے۔

۳۔ قاضی بہاؤالدین قریشی

۴۔ میاں ابراہیم لنگڑیالی

مولانا محمد علی سے کوئی تالیف یادگار نہیں البتہ مولوی عبدالغنی ساکن کھبوٹی ضلع راولپنڈی نے اُن کے ملفوظات "تذکرۃ المحبوب" کے نام سے جمع کئے ہیں۔

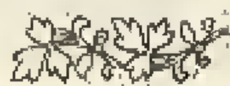
مولانا محمد علی فارسی اور پنجابی کے اچھے شاعر تھے "مولوی" تخلص کرتے تھے۔ اُن کا کلام مولوی محمد الدین کھوڑی نے "تذکرۃ الاولیاء" میں یکجا کر دیا ہے۔ بطور نمونہ ایک فارسی نظم مندرجہ ذیل ہے: [۵]

ہر زمانے دلبرما شکل پیدا می کند
عاشقاں را بہ جمالِ خویش شیدا می کند

آید از بہر تماشا سوئے بازارِ جہاں
چوں چیند ہر طرف خود را تماشا می کند

با کمالِ حسن صورت بر مثالِ احمدی
خویش را در شرب و بطحا ہویدا می کند

مولویا می کنم سرِ انا الحق بس نہاں
لیک خود عشق ایں سخن را آشکارا می کند



۵۔ تذکرۃ الاولیاء ص ۱۱۸

محمد عمر بیربلوی

مولانا محمد عمر بن احمد سعید بن غلام مرتضیٰ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۷ء میں بیربل شریف ضلع سرگودہا میں پیدا ہوئے۔ گھر پر قرآن مجید حفظ کیا اور شرح جامی تک کتابیں والد ماجد مولانا احمد سعید سے پڑھیں۔ مدرسہ نعمانیہ لاہور اور دہلی میں بسلسلہ تعلیم مقیم رہے۔ اورینٹل کالج لاہور سے منشی فاضل، مولوی فاضل اور ادیب فاضل کے امتحانات پاس کیے۔ انگریزی کے بھی بعض امتحانات دیئے۔ فارغ التحصیل ہوئے تو اسلامیہ کالج پشاور میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ سات سال تک وہاں رہے۔

مولانا شیر محمد شرقپوری کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اُن کے خلیفۂ مجاز تھے۔ نقشبندی سلسلے کے بلند پایہ صوفیا میں شمار ہوتے تھے اور مرجع عوام تھے۔ مذہبی تفرقہ بازی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ نمود و نمائش سے کوسوں دُور رہتے تھے۔ سادگی ان کی زندگی کا نمایاں پہلو تھا۔

۱۹۵۵ء / ۱۳۷۴ھ میں فریضۂ حج ادا کیا۔ ۲۶ راگست ۱۹۶۷ء / ۱۹ رجمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ کو لاہور میں فالج کے حملے میں وفات پائی۔ بیربل شریف میں دفنائے گئے۔

مصرعِ تاریخِ وفات یہ ہے ؎

روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

۱۹۶۷ء

مولانا محمد عمرؒ سے حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں :

۱۔ انقلاب الحقیقت یعنی دستورِ تصوف

۲۔ التوحید

۳۔ طریقت کی حقیقت

- صراطِ مستقیم
- قرآنی نظریۂ حیات
- حقائق و معارف
- سلوک و مقصدِ سلوک
- زنبیلِ عمر

محمد عمر اچھروی

مولانا محمد عمر بن محمد امین بن عبد المالک قریشی ۱۹۰۲ء/ ۲۰-۱۳۱۹ھ میں ضلع قصور کی بستی شیرو کا ہستہ میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید گھر پر پڑھا اور اطراف میں حصولِ تعلیم کے لئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ موضع چانوریٹ (نزد پاکپتن) میں مولانا صلاح الدین سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد لکھو کے ضلع فیروز پور کے اہل حدیث علماء مولانا محمد حسین لکھوی اور مولانا عطاء اللہ لکھوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ کچھ عرصہ مولانا محمد عالم مستقبلی سے مدرسہ رحیمیہ نیلا گنبد لاہور میں اکتسابِ فیض کیا۔

درسِ نظامی کی اکثر کتابیں پڑھ کر مدرسہ رحمانیہ دہلی میں کتبِ حدیث پڑھیں۔ مولانا عبد اللہ روپڑی سے سندِ حدیث حاصل کی۔ بعد میں مولانا احمد علی میرٹھی (شاگرد مولانا احمد علی سہارنپوری) سے اجازتِ حدیث حاصل کی۔

مولانا اچھروی ۱۹۳۲ء میں مستقل طور پر اچھرہ (لاہور) میں مقیم ہوئے اور لاہور میں علمی و دینی خدمات انجام دیں۔ سولہ[۱۶] سال مسجد داتا گنج بخش میں خطابت کے فرائض انجام دیئے۔

مولانا اچھروی نے اہل حدیث اساتذہ سے تعلیم حاصل کی لیکن انہوں نے کی پیروی کی۔ مناظرانہ مزاج کے حامل تھے اور فروعی مسائل پر اہل حدیث اور دیوبندی علماء سے مناظرے کرتے رہتے تھے۔ کامیاب مقرر اور خوش الحان واعظ تھے۔

سلسلہ طریقت میں مولانا شیر محمد شرقپوری سے منسلک تھے اور ان سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔ ۲ ذی قعدہ ۱۳۹۱ھ/ ۲۱ دسمبر ۱۹۷۱ء کو لاہور میں فوت ہوئے۔ نماز جنازہ سید ابو البرکات سید احمد مرحوم نے پڑھائی اور اچھرہ میں دفنائے گئے۔ صاحبزادہ

...نت نوشاہی نے حسب ذیل قطعۂ تاریخ کہا:

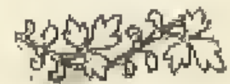
زہے مولوی محمد عمر — کہ در دین حق بود مثل قمر
ز ترحیل سے بچو ہاتف بجست — ندا گشت "حافظ محمد عمر"

۱۳۹۱ھ

مولانا محمد عمر اچھروی سے حسب ذیل کتب یادگار ہیں:

- مقیاس حنفیت
- مقیاس النور
- مقیاس المناظرہ
- مقیاس الصلوٰۃ
- مقیاس النبوۃ

ماہنامہ "المقیاس" بھی جاری کیا تھا جو کچھ عرصہ اُن کی نگرانی میں طبع ہوتا رہا۔
مرحوم کی اولاد میں پانچ صاحبزادے ہیں جو اُن کی علمی و دینی روایت کو قائم رکھے ...ے ہیں۔



... اکابر اہلسنت ص ۵۰۰

محمد غازی

مولانا محمد غازی موہڑی کرڑی ضلع اٹک کے خٹک پٹھان تھے۔[1] مولانا احمد حسن کانپوری (م ۱۳۲۲ھ) کے اجل تلامذہ میں سے تھے۔ علم حدیث کی تحصیل مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی (م ۱۳۰۸ھ) سے کی اور وہیں مدرّس ہو گئے۔ ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء میں مولانا پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی بغرض حج گئے تو ان سے ملاقات ہوئی۔ پیر صاحب کے علوم و معارف سے متاثر ہو کر واپس وطن آئے اور جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف میں بطور صدر مدرس کام کرنے لگے۔ تدریس کے ساتھ افتاء نویسی کا فریضہ بھی انجام دیتے تھے۔

بجملہ علوم دینیہ میں تبحر رکھتے تھے۔ خصوصاً علم تجوید میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ ۱۹۲۹ء/۱۳۴۸ھ میں گولڑہ شریف میں وفات پائی اور وہیں خواجہ سید نذر دین (والد ماجد پیر مہر علی شاہؒ) کے مزار کے پہلو میں مدفون ہیں۔

۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں پیر سید مہر علی شاہؒ نے اہل حدیث عالم مولانا عبدالاحد خانپوری کے رسالہ "البیان والاغاثہ" کے جواب میں "الفتوحات الصمدیہ" تالیف کی۔ اس کتاب میں پیر صاحب نے مولانا عبدالاحد سے بارہ سوالات دریافت کئے تھے۔ دو سال تک کوئی جواب سامنے نہ آیا تو مولانا محمد غازی نے ایک رسالہ "عجالہ رد رسالہ" لکھا، جس میں پیر صاحب کے افکار و خیالات سے استفادہ کیا گیا ہے۔[2]

[1] مولانا غلام مہر علی نے اُن کا مولد کرڑی ضلع اٹک بتایا ہے۔ (الیواقیت المہریہ ص ۸۸)

[2] مہر منیر ص ۲۶۵، ۲۶۶، ۳۸۱ (ملخص)

سیّد محمد فضل شاہ جلالپوری

ر سیّد محمد فضل شاہ بن خواجہ سیّد مظفر علی شاہ بن حضرت سیّد غلام حیدر علی شاہ ہم رجادی الاولیٰ
/ ۲ر نومبر ۱۸۹۴ء کو جلالپور ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ اُن کی ابتدائی تعلیم و تربیت
سیّد غلام حیدر علی شاہ کی نگرانی میں ہوئی۔ قرآن مجید حافظ اللہ دین (ساکن
مجید) سے ختم کیا۔ مولوی عبدالرحیم (ساکن کرّی) سے سکندر نامہ تک فارسی، عربی
و اور شرح وقایہ تک کتب فقہ پڑھیں۔ مولوی عبدالرحیم اُن کی تعلیم کے لئے
ں جلالپور میں مقیم رہے تھے۔ بعد میں مولانا فیض الحسن فیضی، مولانا حافظ بخش
ا فظ جلال الدین (ساکن کوٹ مومن) اور مولانا محمد سعید (متوطن مری) سے
یدی تکمیل کی۔[۱]

دو سال کی عمر میں اپنے جد امجد سیّد غلام حیدر علی شاہ سے بیعت ہوئے اور
خرقہ خلافت حاصل کیا۔ ۲ر شوال ۱۳۳۱ھ / ۴ر ستمبر ۱۹۱۳ء کو دس افراد کے ہمراہ
ج روانہ ہوئے۔ اُن کے ہمراہیوں میں اُن کے استاد محترم مولانا محمد سعید
حمد الدین مدیر "صوفی" (منڈی بہاء الدین) کے نام نمایاں ہیں۔ یہ قافلہ جلالپور
تک شہر بہ شہر ٹھہرتا ۹ ر شوال ۱۳۳۱ھ / ۱۱ر ستمبر ۱۹۱۳ء کو بمبئی پہنچا۔ چند روز بعد
ز پر سوار ہوا۔ راستے میں مصر، فلسطین اور شام کا سفر کر کے ارضِ مقدس پہنچا
ہ حج کی ادائیگی کے بعد واپس وطن آیا۔ اس سفر میں ساڑھے تین ماہ کا
ب ہوا۔

ب ص ۱۲۷ [۲] امیر حزب اللہ ص ۴-۱۸

۱۹ر ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ / ۱۲ر فروری ۱۹۱۷ء کو خواجہ سیّد مظفر علی شاہ کا انتقال
ہوا۔ دوسرے دن ان کے سجادۂ مشیخت پر متمکن ہوئے۔

پیر سیّد محمد فضل شاہ نے عارفانہ روایات کے ساتھ اصلاح معاشرہ اور مسلمانانِ ہند
کی بیداری میں بھرپور حصہ لیا۔ انھوں نے تحریکِ خلافت کے زمانے میں سیاست میں
حصہ لینا شروع کیا اور آخر دم تک فعال رہے۔ اُن کے کارناموں میں جماعت "حزب اللہ"
کا قیام سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہے۔ ۶ر جمادی الاخریٰ ۱۳۴۶ھ / ۳۰ر ستمبر
۱۹۲۷ء کو پیر سیّد غلام حیدر علی شاہ کے سالانہ عرس پر یہ جماعت وجود میں آئی اور پیر
سیّد محمد فضل شاہ کو امیر تسلیم کیا گیا۔ پیر صاحب کے سوانح نگار ڈاکٹر عبدالغنی "حزب اللہ"
کے تعارف میں لکھتے ہیں:

"حزب اللہ خالصتاً ایک اصلاحی تحریک تھی۔ اس کا اجرا چند ہندوؤں
یا انگریزوں کی مخالفت کے لئے عمل میں نہیں آیا تھا اور نہ یہ کسی خاص
فرقہ کی حمایت کے لئے قائم کی گئی تھی بلکہ اتحاد بین المسلمین کی داعی
اور علمبردار تھی۔ اس کا مقصد مسلمانوں کی انفرادی یا اجتماعی زندگی کے کسی
خاص پہلو کی اصلاح نہیں تھا بلکہ یہ ایک جامع، ہمہ گیر اور ہمہ رس تحریک
تھی۔ یہ تحریک ذہنی، معاشرتی، تمدنی، اقتصادی، علمی اور اجتماعی انقلاب
برپا کرنا چاہتی تھی۔"[۱]

"حزب اللہ" نہایت متحرک اور فعال تنظیم تھی جس کے ہزاروں رضا کار اصلاحی کاموں
کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ پیر صاحب مختلف مقامات کا سالانہ دورہ کر کے
تنظیم اور تحریک کو قائم رکھتے تھے۔ رسالہ "ترجمان" (گجرات) جماعت کا آرگن تھا۔

---

[۱] امیر حزب اللہ ص ۲۸۲

جس میں جماعت کی سرگرمیوں کی رپورٹ باقاعدگی سے چھپتی رہتی تھی۔ ماہنامہ "صوفی" (منڈی بہاء الدین) بھی جماعت کے نصب العین کے لئے کوشاں تھا۔

"حزب اللہ" کی سالانہ کانفرنس جلالپور میں منعقد ہوتی تھی، جس میں ملک کے مایہ ناز مقررین، اہلِ علم اور شعرائے کرام شرکت کرتے تھے۔ "حزب اللہ" نے تحریکِ پاکستان[۲] میں فعّال کردار ادا کیا۔ مسلم لیگ کے حلقوں میں پیر صاحب کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

قیامِ پاکستان کے بعد پیر سید محمد فضل شاہ کی تنظیمی صلاحیتوں سے "جمعیۃ المشائخ" قائم ہوئی۔ جس کے وہ ناظمِ اعلیٰ بلکہ روحِ رواں تھے۔ ۱۹۴۷ء کے جہادِ کشمیر میں ان کی نگرانی میں ہزاروں رضاکاروں نے حصہ لیا۔ وہ قیامِ پاکستان کے بنیادی مقصد نظامِ اسلام کے قیام کے لئے کوشاں تھے کہ ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۶ء کو اجل کا بلاوا آگیا۔

پیر صاحب کی نرینہ اولاد میں پانچ صاحبزادے ہیں:

۱۔ پیر سید برکات احمد (جانشین)

۲۔ سید حسنات احمد

۳۔ سید لمعات احمد

۴۔ سید شفقات احمد

۵۔ سید جمیل احمد

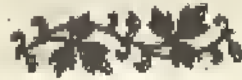
پیر صاحب کے ارادت مندوں کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ اُن کے چودہ خلفائے مجاز کا تعارف ڈاکٹر عبد الغنی صاحب نے لکھا ہے[۱]

[۱] امیر حزب اللہ ص ۶۲۸ - ۶۴۰ ۵

پیر سید فضل شاہ مرحوم سے کئی علمی مقالات[۱] اور چند کتابیں یادگار ہیں۔ اہم ترین یہ ہیں۔

۱۔ حزب اللہ۔ جماعت حزب اللہ کا مفصل تعارف ہے۔ بعد میں اس کی تلخیص ایک رسالے کی صورت میں مرتب کی۔

۲۔ "جمعیت المشائخ" کا تعارف



[۱] چند مقالات "امیر حزب اللہ" کے نویں باب میں درج کیے گئے ہیں۔ ص ۴۲۹ — ۸۱۸

محمد قاسم موہڑوی

خواجہ محمد قاسم موہڑوی اندازاً ۱۸۲۹ء/ ۵۔۱۲۵۴ھ میں موہڑہ شریف تحصیل مری ضلع راولپنڈی
پیدا ہوئے۔ ان کا سلسلۂ نسب ایران کے کیانی خاندان سے ملتا ہے۔ اُن کے اجداد میں
ایک بزرگ اورنگ زیب عالمگیر (م ۱۱۱۸ھ) کے زمانے میں وارد ہند ہوئے۔
خواجہ محمد قاسم کا خاندان تجارت پیشہ اور دیندار تھا۔ ابھی لڑکپن ہی میں تھے کہ اُن کے
والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ خواجہ محمد قاسمؒ نے برِ صغیر کے مختلف شہروں میں تعلیم حاصل کی۔ اور
...سال کی عمر میں علوم مروّجہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے۔ انہوں نے راولپنڈی کے قریب
...ع جگیوٹ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا اور علوم مروّجہ کی تدریس شروع کی۔
خواجہ محمد قاسم موہڑوی ؒ سلسلۂ نقشبندیہ میں خواجہ نظام الدین دکیاں شریف۔ کشمیر سے
...ت ہوئے اور اُن کے خلیفۂ مجاز تھے۔ حصولِ خلافت کے بعد موہڑہ ضلع راولپنڈی
...سکونت اختیار کی اور تبلیغ دین و اصلاح امت کے کاموں میں مصروف ہو گئے۔
خواجہ محمد قاسم موہڑویؒ ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۶۲ھ/ ۲۱ نومبر ۱۹۴۳ء کو فوت ہوئے۔
...ہڑہ تحصیل مری ضلع راولپنڈی میں مدفون ہیں۔ اُن کے فرزند ارجمند پیر نظیر احمد (م ۲۸ محرم
...۱۴۰۳ھ) اُن کے جانشین ہوئے۔

☆☆☆☆☆

محمد موسیٰ پاک صدیقی ملتانی

خواجہ محمد موسیٰ پاک صدیقی بن حافظ محمد حیات، خواجہ فخر الدین عراقی (م ۶۸۸ھ) کے
اخلاف میں سے تھے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ مولانا حافظ
محمد جمال ملتانی سے نسبتِ بیعت رکھتے تھے اور اُن کے خلفائے مجاز میں شامل تھے۔
خواجہ محمد موسیٰ پاک اچھے عالم اور معروف مدرس تھے۔ سید محمد اولاد علی گیلانی لکھتے ہیں:
"حضرت موسیٰ پاک کا علمی مشغلہ اتنا تھا کہ ہمیشہ آپ کی خدمت میں ستر اسّی
طلبہ موجود رہتے تھے۔ بسا اوقات تفسیر پڑھاتے وقت آپ پر وجد طاری ہو
جاتا تھا۔ تحریر کا کام کثرت سے کرتے تھے۔ مشہور ہے کہ آپ نے بیسیوں کتابیں اپنے
ہاتھ سے تحریر فرمائیں مگر سکھوں کی لڑائی میں اکثر کتب خانہ نذرِ آتش ہو گیا۔"[1]
خواجہ محمد موسیٰ پاک کے عقیدت مندوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ نواب مظفر خان
والئ ملتان کو اُن سے ارادت مندی تھی اور وہی اُن کے اخراجات کا کفیل تھا۔ ملتان کے
قاضی القضاۃ محمد نادر اُن کے مخلص مرید تھے اور قاضی صاحب نے اپنے مرشد طریقت کے
حالات میں ایک مثنوی ۱۲۵۶ھ میں مکمل کی تھی۔
خواجہ محمد موسیٰ پاک ۱۱ رجب ۱۲۶۱ھ/ ۱۶ جولائی ۱۸۴۵ء کو فوت ہوئے اور حسین آگاہی
(ملتان) میں دفنائے گئے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں انہوں نے علم و ادب کی خدمات کی تھی۔
خواجہ محمد موسیٰ پاک کے فرزند یگانہ خواجہ محمد خدا بخش (م ۱۳۱۱ھ) تھے جو خواجہ خدا بخش
خیرپوری کے مرید سعید تھے۔

---

[1] اولیائے ملتان ص ۲۶۶

محمد ہاشم بگھاروی

مولانا محمد ہاشم[1] بگھاروی تحصیل کہوٹہ ضلع راولپنڈی کے ایک گاؤں بگھار کے رہنے والے تھے۔ راجپوت جنجوعہ خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ خواجہ محمد عثمان دامانیؒ کے خلیفۂ مجاز تھے۔ ۲۷ رجب ۱۳۱۳ھ/۱۲ جنوری ۱۸۹۶ء کو اپنے مولد و مسکن میں فوت ہوگئے اور وہاں مدفون ہیں۔

فوائدِ عثمانی میں اُن کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"مردِ خلیق، مسکین الطبع و بیچارہ بُود، ہمیں آرزو می داشتند کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تا وقتِ زیست مرا مسکین دارد و خاتمہ بر مسکنت کند و در روزِ قیامت در زمرۂ مسکیناں محشور گرداند"[2]

☆☆☆☆☆

---

[1] فوائدِ عثمانی" میں اُن کا نام "ہاشم علی" لکھا گیا ہے جو درست نہیں۔ خاندانی دستاویزات کے مطابق ان کا نام "محمد ہاشم" تھا۔

[2] فوائدِ عثمانی ص ۱۵۸

مفتی محمد یار خلیق

مولانا مفتی محمد یار خلیق موضع جوڑہ کلاں ضلع شاہ پور میں ۱۸۲۵ء/۱۲۴۱ھ میں
پیدا ہوئے۔ وہ ایک زمیندار خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ابتدائی مکتبی تعلیم گاؤں میں حاصل
کے حصول علم کے لئے بیربل شریف گئے۔ مدرسہ علوم شرعیہ بیربل شریف سے
علوم مروجہ کی تکمیل کی۔

ابتدائے عہدِ جوانی میں لاہور آ گئے۔ مدرسہ نعمانیہ میں مدرس ہو گئے۔ اور ادارہ
کے دارالافتاء کے ناظم رہے۔ اسی زمانے سے "مفتی" مشہور ہوئے۔ مولانا غلام محمد
وی کے زمانے میں شاہی مسجد لاہور کے نائب خطیب مقرر ہوئے۔ بعد میں
۱۸۷۰ء میں) سنہری مسجد کے خطیب ہو گئے۔ مسلسل اڑتالیس سال خطابت کے
فرائض انجام دے کر ۶ دسمبر ۱۹۳۱ء/۵ شعبان ۱۳۵۰ھ کو سبکدوش ہوئے۔ انجمن
اسلامیہ نے اُن کا وظیفہ حسن خدمت تاحیات جاری رکھا۔

ایک سو بارہ برس کی طویل عمر پا کر ۲۴ جون ۱۹۳۷ء/۱۴ ربیع الآخر ۱۳۵۶ھ
اچھرہ (لاہور) میں وفات پائی۔ مزار اچھرہ موڑ کے قریب ہے۔

مفتی مرحوم بلند پایہ شاعر تھے۔ عربی، فارسی اور اُردو میں مشق سخن کرتے تھے۔
مذہباً حنفی نقشبندی تھے۔ مولوی عبداللہ چکڑالوی کی تردید میں انہوں نے بہت کام
کیا۔ ان کی مندرجہ ذیل کتابیں ملتی ہیں:

۱۔ نافع الصلوٰۃ۔ صلوٰۃ مسعودی کا ترجمہ ہے۔

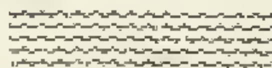
نقوش (لاہور نمبر) ص ۹۲۷

۲۔ سراج الشہادتین (اُردو)

۳۔ مجموعہ مطلب خلیق

۴۔ تفسیر قرآن مجید۔ چند اجزا شائع ہو سکے ہیں۔

مولانا کی نرینہ اولاد میں چار صاحبزادے تھے جو اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز ہوئے۔



محمد یار

مولانا محمد یار الملقب بہ عبدالنبی المختار بن مولانا عبدالکریم گڑھی اختیار خان ضلع رحیم یار خان میں ۱۳۰۰ھ/۸۳-۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید اور ابتدائی کتبی تعلیم جلالپور میں حاصل کی، مولانا محمد حیات سے استفادہ کیا۔ چاچڑاں شریف میں مولانا تاج محمود سے درس نظامی کی آخری کتب اور دورۂ حدیث پڑھا۔

خواجہ غلام فریدؒ سے بیعت ہوئے، ان کی وفات کے بعد دس سال ان کے صاحبزادے خواجہ محمد بخش نازک سے اوراد و اشغال کی تکمیل کی اور خواجہ نازک کے فرزند خواجہ محمد معین الدین سے مجاز بیعت تھے[1]۔ دوسری روایت کے مطابق خواجہ محمد بخش نازک کے خلیفہ مولانا نور محمد فیروز آبادی نے انہیں خلافت عنایت کی تھی[2]۔

ایک عرصہ چاچڑاں کے مدرسہ خانقاہ میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد وطن مالوف آ گئے اور یہاں درس و تدریس کا آغاز کیا۔ ۱۳۳۳ھ/۱۵-۱۹۱۴ء میں فریضۂ حج ادا کیا۔ جید عالم دین تھے۔ تقریر دلچسپ اور پُر سوز ہوتی تھی۔ مثنوی مولانا رومؒ سے بے شغف تھا۔

۱۴ رجب ۱۳۶۷ھ/۲۳ مئی ۱۹۴۸ء کو لاہور میں اللہ کو پیارے ہوئے اور حضرت میاں میرؒ کے احاطے میں امانتاً دفنائے گئے۔ چھ ماہ بعد ان کا تابوت گڑھی اختیار خان منتقل کیا گیا۔

مولانا محمد یار مرحوم شعر و سخن کا ملکہ رکھتے تھے۔ "عبد" اور "محمد" تخلص کرتے تھے۔ "دیوانِ محمدی" کے نام سے ان کا کلام طبع ہو چکا ہے۔

---

[1] الیواقیت المہریہ ص ۱۲۷

[2] اولیائے بہاولپور ص ۲۸۳

پیر مراد شاہ لاہوری

پیر مراد شاہ لاہوری[1] بن پیر کرم شاہ (المعروف بہ سیتیا شاہ) بن شیخ ابو الفتح (المعروف بہ شاہ جیو) لاہور کے مشہور سہروردی بزرگ حضرت شاہ عبد الجلیل چوہڑ بندگی (م ۹۱۰ھ) کے اخلاف میں سے تھے۔ پیر کرم شاہ اپنے وقت کے بلند پایہ مشائخ میں سے تھے۔ ۱۱۹۶ھ/۸۲-۱۷۸۱ء میں سکھ گردی سے تنگ آ کر لکھنؤ چلے گئے۔ تقریباً پانچ سال کے قیام کے بعد واپس وطن آ رہے تھے کہ ۱۲۰۱ھ/۸۷-۱۷۸۶ء میں شاہجہاں پور کے نزدیک قزاقوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔[2]

پیر کرم شاہ کے چاروں صاحبزادوں۔ پیر مراد شاہ، پیر قلندر شاہ، پیر سکندر شاہ، اور پیر فرخ بخش نے علمی و دینی میدان میں نام پیدا کیا۔ پیر سکندر شاہ اور پیر فرخ بخش، نے دین و تصوف کی نسبت ادب و شعر کی زیادہ خدمت کی۔ پیر مراد شاہ اور پیر قلندر شاہ نے ادب و شعر کے پہلو بہ پہلو دینی کام بھی کیا۔

پیر مراد شاہ ۱۱۸۴ھ/۷۱-۱۷۷۰ء میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کے ہمراہ لکھنؤ کا سفر کیا۔ واپسی پر لاہور میں سکونت اختیار کی۔ پیر غلام دستگیر نامی نے انہیں عابد

---

[1] اصل نام غلام رکن الدین تھا۔ تاریخ جلیلہ ص ۲۳۹

[2] حالات کے لئے ملاحظہ ہوں:

خزینۃ الاصفیاء جلد ۲، ص ۱۱۵-۱۱۶

حدیقۃ الاولیاء ص ۸۰

تاریخ جلیلہ ص ۲۲۵-۲۳۲

ے ریا، مجاہدپیشہ تھا اور صاحب تصانیف باشرع[1] تھے بزرگ تھا۔

پیر مراد شاہ نے سلسلۂ سہروردیہ میں خرقۂ خلافت اپنے والدِ ماجد سے پہنا تھا۔ اُن
ر حلت کے بعد مراد شاہ اور اُن کے برادرِ خورد پیر قلندر شاہ نے شیخ بدر الدین
چشتی (م ۱۲۰۵ھ) سے بیعت کی۔

پیر کرم شاہ کی ناگہانی رحلت کے بعد اُن کے پس ماندگان بریلی چلے گئے تھے۔ پیر مراد
شاہ اور اُن کے برادرِ خورد پیر قلندر شاہ نے لکھنؤ، الٰہ آباد اور محمد آباد و بنارس کے اہلِ علم سے
استفادہ کیا۔ اُن کے اساتذہ میں شاہ اجمل الٰہ آبادی کا نام بہت نمایاں ہے۔

پیر مراد شاہ ۵ محرم ۱۲۱۵ھ / ۳۰ مئی ۱۸۰۰ء کو لاہور سے کچھ فاصلے پر ایک گاؤں مردانہ
میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے۔ مزار کے دروازے پر زیرِ محراب حسبِ
ذیل قطعہ تاریخ نصب ہے:[2]

سیتا شاہ کے بیٹے غلام رکن الدین!
شباب جن کا تھا پیری سے خوش تر و ذی شان
شبِ جمعہ تھی محرم کی پانچویں تاریخ
ہوئے نمازِ عشا میں وہ سوئے خلد رواں
سروشِ عالمِ غیبی نے داد۹ دی ناؔمی
جو بولے قلندر شاہ مراد بخشِ جہاں

۱۲۰۶ھ

۹ + ۱۲۰۶ = ۱۲۱۵ھ

---

[1] تاریخ جلیلہ ص ۲۳۹

[2] ایضاً ص ۲۴۲

پیر مراد شاہ فارسی اور اُردو کے ایک کامیاب شاعر تھے۔ حافظ محمود خان شیرانی
(م ۱۳۶۴ھ) اُن کی اُردو شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ان کی طبیعت غزل سے بہتر مثنوی پر جمتی ہے۔ اس میدان میں
وہ کسی سے کم نہیں اور اہلِ ہندوستان کے دوش بدوش ہیں۔ متواتر
سات سال ہندوستان میں رہنے کی بنا پر زبان بالکل صاف ہو گئی
ہے۔ سلاست اور روانی کے علاوہ کلام میں پختگی موجود ہے۔"[1]

پیر مراد شاہ کی حسبِ ذیل تالیفات ہیں:

۱۔ دیوانِ مراد۔ پیر مراد شاہ کا دیوانِ غزلیات جو ۱۲۵ غزلوں، ۲۴ رباعیوں اور چند متفرق قطعات اور اشعار پر مشتمل ہے۔ انجمن ترقی اُردو ہند (دہلی) کے مجلّہ "اُردو" بابت جولائی ۱۹۴۲ء میں پیر غلام دستگیر نامی کے دیباچے کے ساتھ طبع ہو چکا ہے۔

۲۔ نامۂ مراد (منظوم) لکھنؤ کے زمانۂ قیام میں ۱۱۹۶ھ / ۸۲-۱۷۸۱ء میں عزیزانِ وطن کے نام خط۔

۳۔ مثنوی مراد العاشقین (تصوف)

۴۔ نامہ مریداں (ترجیع بند) ۔ فارسی

۵۔ مثنوی مراد المحبتین (قصہ چہار درویش)

۶۔ مثنوی نگس نامہ۔ نامۂ مراد کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔

بطور نمونۂ کلام مثنوی "نگس نامہ" کے چند ابتدائی شعر نقل کئے جاتے ہیں جن میں "لاہور" کی تعریف کی گئی ہے:[2]

---

[1] پنجاب میں اُردو ص ۳۲۸

[2] نامۂ مراد ص ۲۳ ؛ پنجاب میں اُردو ص ۳۲۹-۳۳۰

شہر لاہور قبۂ اسلام / روشن آفاق میں ہے جس کا نام
خوبی اس کی تھی شہرۂ آفاق / حسن کا اُس کے تھا جہاں مشتاق
اصفہان ہے جو ایک نصف جہان / خوبیوں میں نہ تھا کچھ اس سے کلان
دور و نزدیک تھا یہی مشہور / اپنے نزدیک تھا بہت سا دُور
تھا عمارت سے یہ قوی بنیاد / ربع مسکوں میں افتخارِ بلاد
تھا بہشتِ بریں بروئے زمیں / عجب انسان تھے اس مکاں کے مکیں
ایک سے ایک تھے دو صد چنداں / سب ملائک صفت تھے انسان
اولیاء و مشائخ و سادات / علماء اک سے اک ستودہ صفات
شاعر و شعر فہم لائق شعر / طبع موزوں فہم لائق شعر
شہر تھا یہ کہ کانِ علم و ادب / کان کیا بلکہ جانِ علم و ادب

مرتضیٰ احمد خان میکش

مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش بن میر احمد خان، افغان قبیلہ "دُرّانی" کے گوہر تابندہ تھے۔ وہ محرم ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء میں جالندھر کے ایک گاؤں "بھدم" میں پیدا ہوئے۔ اُن کا خاندان علمی روایت کا حامل تھا۔

اُنہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے پائی۔ جالندھر میں انٹرنس کا امتحان پاس کیا اور اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ دورانِ تعلیم میں سیاسی تحریکوں میں حصہ لینا شروع کیا۔ جلیانوالہ باغ امرتسر کے حادثے کے بعد پورے ملک میں اشتعال پھیلا ہوا تھا۔ اسلامیہ کالج کے طلبہ لاہور کے مظاہروں میں پیش پیش رہتے تھے۔ جلوس نکالتے، پولیس سے ٹکر لیتے، پتھراؤ کرتے اور سختیاں جھیلتے تھے۔ مولانا میکش ان مظاہروں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ ۱۹۱۹ء کے اواخر میں ترکِ تعلیم کر کے روزنامہ "زمیندار" میں نیوز ایڈیٹر مقرر ہو گئے[1]۔ تحریکِ خلافت اور ترکِ موالات کے زمانے میں ہجرتِ افغانستان کی تحریک کا بڑا زور تھا۔ ہزاروں مسلمان اپنے اثاثے اور جائیدادیں اونے پونے داموں فروخت کر کے افغانستان جا رہے تھے۔ میکش صاحب بھی سوئے افغانستان چل پڑے۔

افغانستان میں خوست کے مقام پر جنرل نادر خان (جو بعد میں بادشاہ بنے) کے بھائی شاہ محمود خان کے ہمراہ قیام پذیر رہے۔ شاہ محمود خان کو اُن سے بڑی محبت تھی اور اُن کی انگریز دشمنی کی وجہ سے ہمیشہ ساتھ رکھتے تھے۔ تحریکِ ہجرت کی نظم و ضبط

[1] صحافت۔ پاکستان و ہند میں ص ۴۱۲

منصوبہ بندی کے فقدان کی وجہ سے ناکام ہوئی تو مولانا میکش اپنے ایک دو ساتھیوں
کے ساتھ قبائلی علاقے کی سیر و سیاحت کرتے ہوئے بنوں کے راستے وطن آئے۔
ان کے ساتھی مردان کے رہنے والے تھے۔ وہ مردان پہنچنے پر گرفتار کر لئے گئے اور
جالندھر میں مولانا میکش بھی گرفتار ہو گئے بعد میں خاندان کے با اثر افراد کی کوششوں
سے رہا ہوئے۔

دوبارہ تعلیم کے بہانے لاہور آ گئے مگر کسی کالج کا رخ کرنے کے بجائے
صحافت کے "مدرسۂ زمیندار" میں نام درج کرا لیا۔ مولانا میکش کہا کرتے تھے کہ زمیندار
مدرسۂ صحافت اور ظفر علی خان اس کے پرنسپل تھے[1]۔ ان دنوں ادارت مولانا غلام رسول
مہرؒ کے ہاتھ میں تھی۔ ۱۹۲۷ء میں مولانا مہر اور عبدالمجید سالک نے زمیندار سے الگ ہو کر
روزنامہ "انقلاب" جاری کیا۔ مولانا میکش بھی ادارۂ انقلاب میں شامل ہو گئے۔ نیوز ایڈیٹر
تھے اور "انقلاب" کے سنڈے ایڈیشن کی ترتیب و تدوین اُن ہی کے سپرد تھی۔ اس
میں عبدالحکیم خان نشتر جالندھری اُن کے رفیق قلم تھے[2]۔

روزنامہ "انقلاب" میں مولانا میکش کے قلم سے بہت سے معرکہ خیز مقالات
۔ ۱۹۲۸ء میں انھوں نے "ہندی مسلمانوں کے لئے الگ وطن" کے عنوان سے
مضامین لکھا۔ اس کے دو سال بعد علامہ اقبالؒ نے الٰہ آباد میں مشہور خطبۂ صدارت
دیا۔ کچھ عرصہ بعد "انقلاب" سے واپس ادارۂ زمیندار میں شامل ہو گئے۔

۱۹۲۹ء میں افغانستان میں امان اللہ خان کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا اور امان اللہ
کو یورپ میں رہنا پڑا۔ میکش صاحب نے ہفت روزہ "افغانستان" (فارسی)

ظفر علی خان ادیب و شاعر، ص ۲۱۴
چند شکستہ داستانیں کچھ پریشاں تذکرے ص ۲۹۶

میں امان اللہ خان کے حق میں پُرزور مضامین لکھے۔ دونوں کے درمیان خط و کتابت بھی
ہوتی تھی۔ جب جنرل نادر خان نے بچہ سقّہ کے خلاف جدوجہد کی تو مولانا میکش اُن
کے ہمنوا تھے مگر حالات بہتر ہونے پر نادر خان نے امان اللہ خان کو حکومت نہ لوٹائی
اس لئے اُسی زور و شور سے مخالفت شروع کر دی جس زور و شور سے حمایت کی تھی۔

افغانستان کی نئی حکومت کو امان اللہ خان اور مولانا میکش کی باہمی مراسلت کا علم
تھا۔ حکومت نے مولانا سے امان اللہ خان کے خطوط حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اس
سلسلے میں تحریص و ترغیب کے حربے آزمائے گئے مگر اس مرد درویش نے تمام پیشکشوں
کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔ آخر افغان حکومت نے دوسرا حربہ استعمال کیا اور وہ
خطوط دفتر "افغانستان" سے چوری کر لئے گئے۔

۱۹۳۲ء میں قانون تعلقاتِ خارجہ نافذ ہوا جس کے مطابق ملک معظّم کی دوست
ریاستوں کے خلاف پروپیگنڈا جرم قرار دیا گیا۔ مولانا میکش نے حکومتِ افغانستان
کے خلاف قلمی مہم جاری رکھی اور دو سال قید کی سزا پائی۔

۱۹۳۴ء میں روزنامہ "احسان" لاہور جاری ہوا تو مولانا میکش اس کے مدیر مقرر ہوئے۔
چار سال تک یہاں کام کرنے کے بعد ایک نیا اخبار "شہباز" نکالا۔ قیامِ پاکستان کے
بعد روزنامہ "مغربی پاکستان" اور "نوائے پاکستان" کی ادارت کے فرائض انجام
دیے۔ جناب عبدالسلام خورشید نے صحافت میں اُن کا مقام متعین
کرتے ہوئے لکھا ہے:

"مولانا میکش اعلیٰ پائے کے اداریہ نگاروں میں شمار ہوتے تھے۔
سیاسی مسائل کو خوب سمجھتے تھے اور لکھنے کا ڈھنگ جانتے تھے۔ وقتاً
فوقتاً کوئی مہم چلا دیتے تھے جس سے اداریے پڑھنے والوں کی تعداد
بڑھ جاتی تھی۔ اُن میں جرأت اور بے باکی بھی موجود تھی، ترشی اور تلخی بھی

تھی۔ دلیل کا عنصر بھی موجود تھا۔ سنجیدگی اور توازن کا دامن بھی نہیں چھوڑتے
تھے اس لئے اداریہ نگاری کے میدان میں نمایاں تھے۔[1]

۱۹۵۳ء کی تحریک "ردِ قادیانیت" میں نمایاں حصہ لیا اور ایکشن کمیٹی کے رکن تھے
...تار ہوئے اور قید و بند کی صعوبتوں سے گزرے۔

اس تحریک کے بعد اخباری دنیا سے الگ ہو کر علمی و تعلیمی کاموں میں منہمک ہو گئے
...اب یونیورسٹی کے شعبہ دائرہ معارف اسلامیہ سے بطور مترجم اور شعبہ صحافت سے
...لیکچرار وابستہ رہے۔

زندگی بھر بے باک، بے خوف اور اصول پرست رہے اور اپنی اصول پسندی کی
...سے مصائب و آلام میں مبتلا ہوئے۔ عسرت میں زندگی گزاری مگر چند ٹکوں کے لئے
...وشی اختیار نہ کی۔

تصوف کا ذوق رکھتے تھے۔ مولانا نواب الدین چشتی[2] سے بیعت تھے۔[3]

مولانا میکش سیاسی طور پر دو قومی نظریہ کے پُر جوش داعی تھے۔ روزنامہ "احسان"
...) مسلم لیگ کا ہم نوا تھا اور انہوں نے خود بھی تقسیم ہندوستان کا تصور پیش کیا تھا
...ء میں بنارس میں منعقد ہونے والی "آل انڈیا سنی کانفرنس" میں شریک ہوئے۔ تھے
...ن کی پیش کردہ قراردادیں پاس کی گئی تھیں۔[4]

مولانا میکش ۲۷ر جولائی ۱۹۵۹ء / ۲۱ر محرم ۱۳۷۹ھ کو حرکتِ قلب بند ہو جانے سے
...ہو گئے۔

...افت۔ پاکستان و ہند میں ص ۴۵۷

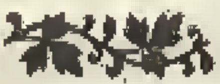
...نے دور کے ایک مرد حق آگاہ، مشہور نعت گو حافظ مظہر الدین ان ہی کے عزیز مرید ہیں۔

...شکستہ داستانیں کچھ پریشان تذکرے ص

...رہ اکابر اہل سنت ص ۵۱۷

مرحوم سے مندرجہ ذیل تالیفات یادگار ہیں:

۱۔ تاریخ اقوام عالم
۲۔ تاریخ اسلام (چار جلدیں)
۳۔ اسلام اور معاشی اصلاحات
۴۔ تصویر و تدبیر
۵۔ اخراجِ اسلام از ہند
۶۔ البرز شکن گرز المعروف مرزائی نامہ
۷۔ الہامی افسانے
۸۔ دو دل (مجموعہ کلام اردو)

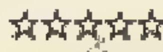


مطیع الرضا خان قادری

مولانا مطیع الرضا خان قادری ۲۹ ستمبر ۱۹۲۷ء/۲ ربیع الآخر ۱۳۴۶ھ کو چندوسی ضلع
۔۔۔ کے ایک پٹھان قبیلے میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ضلع علی گڑھ اور بریلی کے مدارس میں
۔۔۔ رس کی۔ مولانا امجد علی مؤلف "بہار شریعت"، مفتی اعجاز ولی خان اور مولانا عبد المصطفیٰ
۔۔۔ سے بھی علمی استفادہ کیا تھا۔ قادری سلسلۂ طریقت میں مولانا حامد رضا خان کے ہاتھ پر
۔۔۔ کی تھی اور ان سے بے پایاں عقیدت رکھتے تھے۔

مولانا مطیع الرضا خان نے تحریک پاکستان میں ایک فعال کارکن کی حیثیت سے
۔۔۔ تھا اور "چندوسی" میں مسلم لیگ کو مقبول بنانے میں ان کا اہم حصہ تھا۔ قیام پاکستان
۔۔۔ راولپنڈی آگئے اور طارق آباد۔ راولپنڈی میں سکونت اختیار کی۔ طارق آباد کی جامع مسجد
۔۔۔ ت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ یہیں انہوں نے دینی درس گاہ "مدرسہ رضویہ
۔۔۔ یہ قادری دوا خانہ" قائم کیا۔ مولانا موصوف خوش گفتار خطیب، اچھے مدرس اور
۔۔۔ طبیب تھے۔ اچھا شعری ذوق رکھتے تھے اور اچھی نعت کہتے تھے۔

۔۔۔ م اپریل ۱۹۷۹ء/۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ کو اختلاج قلب کی بیماری میں فوت ہوئے
۔۔۔ پنڈی میں دفنائے گئے۔



خواجہ معظّم دین مرولوی

خواجہ معظم دین بن میاں محمد یار ۱۲۴۷ھ/۳۲-۱۸۳۱ء میں موضع مرولہ، تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ میرا قبیلے کے چشم و چراغ تھے۔ اس قبیلے کے بیشتر افراد قصبہ لالیاں ضلع جھنگ میں آباد ہیں۔ خواجہ معظم دین کے جد امجد لالیاں سے ترک سکونت کر کے موضع گھنگوال آ گئے پھر وہاں سے موجودہ مستقر، مرولہ منتقل ہو گئے۔

خواجہ صاحب موصوف کے والد پڑھے لکھے بزرگ تھے تاہم اُن کی تربیت میں حافظ محمد امین کا زیادہ حصّہ ہے۔ حافظ محمد امین، خواجہ صاحب کے ماموں تھے اور حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے ارادت مند تھے۔ خواجہ صاحب اُن ہی کی وساطت سے تیرہ سال کی عمر میں خواجہ شمس الدین سیالویؒ سے بیعت ہو گئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے خاندان کے بزرگوں سے حاصل کی قرآن حفظ کیا اور فن تجوید میں مہارت حاصل کی۔ پیر طریقت خواجہ شمس الدینؒ سے شرح وقایہ، لوائح جامی، مرقع کلیمی اور کشکول سبقاً سبقاً پڑھیں۔

سترہ سال کی عمر میں اعلیٰ تعلیم کے لئے عازم سفر ہوئے۔ لاہور میں بیگم شاہی مسجد اور مسجد نیلا گنبد میں مقیم رہے۔ لاہور سے دہلی گئے اور آخر میں بمبئی جا کر تکمیل علوم کی۔ خواجہ معظم دین محنتی اور ذہین طالب علم تھے اور اپنے اساتذہ کے منظورِ نظر تھے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اُن کے اساتذہ کے نام نہیں مل سکے۔

تکمیل علوم کے بعد سیر و سیاحت اور حج کا فریضہ ادا کرنے چل پڑے۔ پہلے ترکی گئے اور استانبول کے کتب خانوں سے استفادہ کیا۔ اُن کے تبحر علمی اور وسعت معلومات نے علمائے ترکی کو اُن کا گرویدہ بنا دیا۔ علمائے ترکی نے اُن کی

...ت افزائی یوں کی کہ ایک پُر وقار تقریب میں سلطان ترکی کی جانب سے "شمس العلماء"
...رازی سند اور مرصّع جُبہ پیش کیا۔ ترکی سے عراق، شام، فلسطین اور مصر ہوتے
...ے ارضِ حجاز پہنچے اور فریضۂ حج ادا کیا۔

...شوال ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۹ء میں سیر و سیاحت سے واپس آئے اور سیال شریف میں
...ت اختیار کی۔ خانقاہ کے انتظامات، فتویٰ نویسی اور صاحبزادگانِ خانقاہ سیال کی
...تربیت اُن کے سُپرد تھی۔

... خواجہ شمس الدین سیالوی ؒ نے خلافت سے سرفراز کیا۔ حضرت سیالوی ؒ کی رحلت
...ھ) کے بعد آبائی وطن "مرولہ" منتقل ہوئے جو اُن کی اصلاحی سرگرمیوں سے
...شریف" مشہور ہوا۔

...مرولہ شریف میں ایک ہندو خاتون تھی اُن کی اصلاح و تبلیغ سے متاثر ہو کر اسلام
...یا۔ اُسی نو مسلم سے اُن کا عقد ہوا اور ستّر سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے فرزند
...مرولوی ؒ عنایت کیا۔

...ر جمادی الاخریٰ ۱۳۲۵ھ/۲۰ر جولائی ۱۹۰۷ء کو وفات پائی۔ میاں عبداللہ سیالوی ؒ
...بِ ذیل مادہ ہائے تاریخ وفات کہے ؎

زتاریخ وصالِ خان ہمیں است
معظّم دین قطبِ اہلِ دین است!

۱۳۲۵ھ

نیز

ازاں مدت کہ عالم مجو رنج است
ز ہجرت سیزدہ صد بست و پنج است[1]

...ص ۱۷۳

خواجہ معظّم دین کی رحلت کے وقت خواجہ محمد حسین کی عمر آٹھ سال تھی۔ قاضی محی الدین نے اُن کے جوان ہونے تک خانقاہ کا نظم و نسق بخیر و خوبی چلایا۔ خواجہ مرحوم کے حسبِ ذیل خلفاء کے نام معلوم ہو سکے ہیں:

۱۔ خواجہ محمد حسین مرولوی (فرزند م ۲۷ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۰ھ/۲۲ر جولائی ۱۹۲۲ء)
۲۔ قاضی محی الدین
۳۔ میاں شہاب الدین فیروز پوری (م ۱۳۵۲ھ)
۴۔ پیر نادر علی شاہ جالندھری
۵۔ پیر سید ضامن علی شاہ بینڈڑوی (ہزارہ)
۶۔ میاں سراج الدین ساکن برج اگرہ ضلع گجرات
۷۔ میاں امام الدین کفروی



سید مغفور القادری

سید مغفور القادری بن سید سردار احمد گڑھی اختیار خان ضلع رحیم یار خان کے رہنے
لے تھے۔ اسی مردم خیز قصبے میں ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء میں سادات کے ایک خانوادے
پیدا ہوئے۔ تاریخی نام "مغفور" رکھا گیا۔ اُن کا پدری سلسلہ نسب سید عثمان
ندی المعروف بہ لعل شہباز قلندر (م ۶۷۳ھ) سے ملتا ہے اور مادری سلسلہ اوچ کے
روف بخاری خاندان پر منتہی ہوتا ہے۔

سید مغفور القادری کا خاندان علم و فضل اور شریعت و طریقت کا امین تھا۔ اُن کے
اجد سید محمد جعفر شاہ نواب گڑھی اختیار خان کے اصرار پر شکارپور (سندھ) سے
منتقل کرکے آئے تھے۔ سید سردار احمد جید عالم دین، اعلیٰ درجے کے خطاط اور سندھی
کی کے شاعر تھے۔

سید مغفور القادری بچپن میں ماں کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو گئے۔ والد
نے اُن کی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ انہوں نے نو سال کی عمر میں
ن مجید حفظ کیا۔ گڑھی اختیار خان کے مفتی محمد حیات اور مولانا عبدالکریم ہزاروی ثم
وہڑوی سے ابتدائی کتابیں پڑھیں، مدرسہ شمس العلوم بستی مولویاں ضلع رحیم یار خان
درس نظامی کی تکمیل کی۔ مولانا سراج الدین کمتن بیلوی سے بھی علمی استفادہ
تا۔

فارغ التحصیل ہوئے تو بھرچونڈی (سندھ) چلے گئے۔ حافظ محمد عبداللہ
ونڈوی (م ۱۳۴۶ھ) سے بیعت ہوئے اور دارالعلوم بھرچونڈی کی مسندِ درس پر
فائز ہوئے۔ درس و تدریس کے ساتھ سندھ کے دیہی علاقوں میں وعظ و تبلیغ

کرتے اور اپنے مذہبی مخالفین سے مناظرے کرتے رہتے تھے۔

بھرچونڈی میں مستقل رہائش اختیار کر لی تھی۔ درمیان میں ایک سال کیلئے راشدی خانوادۂ سندھ کے ایک صاحبزادے سید رحم شاہ مرحوم کی تعلیم کے لئے سکھر میں مقیم رہے۔

سید مغفور القادری تحریکِ پاکستان کے پُرجوش کارکن تھے۔ انہوں نے پیر عبدالرحمان بھرچونڈوی کی قائم کردہ "جماعت احیاء الاسلام" کے ذریعے دو قومی نظریہ کے حق میں فضا ہموار کی۔ انہوں نے جماعت کا اخبار "الجماعت" شکارپور سے جاری کیا۔ "جماعت احیاء الاسلام" نے سندھ کے اکثر اہم مقامات پر کانفرنسیں منعقد کیں اور تحریکِ پاکستان کے مقبول بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

سید مغفور القادری نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اکتیسویں سالانہ جلسہ منعقدہ کراچی (۲۴، ۲۵، ۲۶ دسمبر ۱۹۴۳ء/ صفر ۱۳۶۲ھ) میں شرکت کی اور انہوں نے "جماعت احیاء الاسلام" کے نائب صدر اور نمائندہ ہونے کی حیثیت سے اسے آل انڈیا مسلم لیگ میں مدغم کر دیا۔ اس کے بعد اپنی تمام صلاحیتیں مسلم لیگ کے لئے وقف کر دیں۔ خود بھرچونڈی سے حیدرآباد آگئے۔ مشائخ کو منظم کرنے کی خاطر "تنظیم المشائخ" قائم کی۔ اسی دوران میں ۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء/ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۵ھ کو آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس منعقد ہوئی۔ سید مغفور القادری، پیر عبدالرحمان بھرچونڈوی اور سندھ کے دوسرے ایک سو افراد کے ساتھ شریک ہوئے۔

سید مغفور القادری نے تحریک مسجد منزل گاہ سکھر (۱۹۳۹ء) میں بھرپور حصہ لیا تھا۔ سکھر کی یہ مسجد ہندو آبادی میں گھری ہوئی تھی۔ ہندو مسلمانوں کو آبادی مسجد سے روکنا چاہتے تھے۔ مسلمان "کعبہ کی بیٹی" کو ذلیل ہوتا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ چنانچہ حالات خراب ہو گئے۔ حکومت سندھ نے جانبدارانہ مداخلت کی کوشش

تو مجلس احرار اسلام میدان میں آگئی۔ مقامی طور پر سید مغفور القادری اور دوسرے علماء
نے مسجد آباد کرنے پر زور دیا۔ بالآخر حکومت سندھ نے ایک تحقیقاتی بورڈ مقرر کیا جس
نے مسجد مسلمانوں کے حوالے کر دی۔

قیام پاکستان کے بعد سید مغفور القادری وطن مالوف میں آ گئے۔ یہاں بھی دینی و علمی
دمات میں مصروف رہے۔ جامع مسجد میں وہی خطبہ دیتے تھے۔ جامعہ محمدیہ رضویہ
رحیم یار خان میں ایک سال تدریس بھی کی۔ ذیابیطس میں مبتلا تھے اور اسی بیماری میں ۵ صفر
۱۳۹۰ھ/ ۱۲ اپریل ۱۹۷۰ء کو وفات پائی۔ اگلے دن پیر عبدالرحیم بھرچونڈوی (م ۱۲ ستمبر
۱۹۷۱ء/ ۱۳۹۱ھ) نے نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے والد گرامی سید سردار احمد کے پہلو میں
دفنائے گئے۔ سید شریف احمد شرافت نوشاہی نے قطعۂ تاریخ کہا۔ جس کا آخری
مصرعہ یہ ہے ع

شرافت چوں پرسند سالِ وصال
بگو: ہادیٔ عصر مستور شُد
۱۳۹۰ھ

سید مغفور القادری نے حسب ذیل کتابیں تالیف کی ہیں:

۔ عباد الرحمان (تذکرہ مشائخ بھرچونڈی)
۔ تنویر العینین فی تقبیل الابہامین (سندھی۔ غیر مطبوعہ)
۔ الرسول (غیر مطبوعہ) سیرت پر ایک کتاب لکھنا چاہتے تھے۔ اسی کا ابتدائی خاکہ
ہے۔
۔ کلام مغفور (غیر مطبوعہ) سید صاحب فارسی، اُردو اور سرائیکی کے کامیاب شاعر تھے۔
ابتدائی دور میں ساغر تخلص کرتے تھے۔ بعد میں مغفور، خفیر اور مغفور تخلص کرنے

ان پر مستزاد "الجماعت" (تھکار پور) کے صفحات پر بکھرے ہوئے بیسیوں
مضامین ہیں۔

سید مغفور القادری مرحوم نے یکے بعد دیگرے دو شادیاں کیں۔ پہلی زوجہ سے
نرینہ اولاد میں صاحبزادہ سید کاظم القادری پیدا ہوئے۔ دوسری اہلیہ سے تین صاحبزادے
اور ایک صاحبزادی حیات ہیں۔ سید محمد فاروق القادری اُن کے علمی جانشین ہیں۔



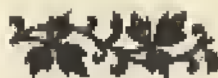
حکیم منوّر الدین

مولانا حکیم محمد منوّر الدین بن ملک فتح خان بھوچپال ضلع جہلم کے رہنے والے تھے انھوں نے مولانا غلام رسولؒ (ساکن بھترال ضلع اٹک) سے صرف عربی پڑھی تھی۔ مولانا غلام رسول پنجابی زبان میں "صرف" پڑھاتے تھے اور پورے پنجاب میں اُن کی شہرت تھی۔ ان کی وفات کے بعد اُن کے انداز تدریس کو مولانا محمد منوّر الدین نے اپنا لیا۔

مولانا منوّر الدین نے اپنے استاد کی امالی کو فارسی میں منتقل کیا تاکہ "صرف بھترال" کا فیض پنجاب سے باہر عام ہو سکے۔ مولانا منوّر الدین جامع مسجد سوتر منڈی لاہور میں خطیب تھے۔ ۱۳۵۱ھ میں "صرف بھترال معروف بہ مرآۃ بھوچپال" مرتب کی۔ دیباچہ میں لکھتے ہیں:

"قوانین این کتاب از نقائص و اغلاط مبرّیٰ اند و مفصّل بیان شدہ اند زیرا کہ خود حضرت (غلام رسول مرحوم) دراین کار سعی بلیغ کردہ بودند و حاجت بسوئے کتاب دیگر از کتابہائے صرف نیفتد و ترتیب ہم اعلیٰ است کہ در کتاب دیگر دیدہ نشدہ و کمی کہ در مقدمہ بود آن مکمل کردم۔"[1]

مولانا حکیم منوّر الدین کے مزید حالات معلوم نہیں ہو سکے۔



---

[1] صرف بھترال ص ۴

سیّد مہر علی شاہ گولڑویؒ

پیر سیّد مہر علی شاہ بن سیّد نذر دین شاہ بن سیّد غلام حیدر شاہ بن سیّد روشن دین یکم رمضان ۱۲۷۵ھ/ ۱۴ راپریل ۱۸۵۹ء کو گولڑہ شریف ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔[1] اُن کا سلسلۂ نسب ۲۵ ویں پشت میں شاہ عبدالقادر جیلانی بغدادیؒ سے جاملتا ہے۔ اُن کی نانی حضرت سیّد جلال الدین بخاری اوچی کی اولاد میں سے تھیں۔ پیر سیّد مہر علی شاہ کے اجداد میں سے سیّد روشن دین پہلے شخص تھے جنہوں نے گولڑہ شریف میں سکونت اختیار کی۔

پیر سیّد مہر علی شاہ کے خاندان میں علم و عمل کی اچھی روایات چلی آرہی تھیں۔ اُنہوں نے مقامی مکتب میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ غلام محی الدین ہزاروی سے درسِ نظامی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد بھوئی (ضلع راولپنڈی) جاکر مولانا محمد شفیع کے درس میں شامل ہوئے اور دو سال اُن کی خدمت میں رہ کر صرف و نحو کی متوسط کتب اور منطق میں قطبی" پڑھیں۔ یہاں سے انگہ (ضلع سرگودھا) گئے اور مولانا سلطان محمود سے استفادہ کیا۔ راستے میں مکھڈ، بھوک (ضلع اٹک) رُکے مگر مولانا سلطان محمود کی کشش اس قدر غالب تھی کہ یہاں قیام نہ کیا۔ انگہ میں اڑھائی سال مقیم رہے اور درسِ نظامی کی اکثر و بیشتر کتابیں ... ۱۲۹۰ھ/ ۷۴-۱۸۷۳ء میں وسطِ ہند کا سفر کیا۔ مولانا احمد حسن کانپوری (م ۱۳۲۲ھ) سے استفادہ کے لئے کانپور حاضر ہوئے مگر وہ سفرِ حج کے لئے پابرکاب تھے۔ ... لئے کانپور سے علی گڑھ چلے گئے جہاں مولانا لطف اللہ علی گڑھی (م ۱۳۳۴ھ)

کی مسندِ تدریس بچھی ہوئی تھی۔ مولانا لطف اللہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرکے ریاضی کی کتبِ عالیہ کا درس لیا۔ ۳/۱/۲ سال بعد مولانا احمد علی محدث سہارنپوری (م ۱۲۹۷ھ) کے پاس حاضر ہوئے اور صحیحین کا درس لیا اور ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء) وہیں اُن سے سندِ حدیث حاصل کی۔[1] اس طرح بیس سال کی عمر میں علوم متداولہ کی تحصیل کرلی۔

پیر سیّد مہر علی شاہ کے اُستادِ گرامی مولانا سلطان محمود انگوی، حضرت شمس الدین سیالوی کے مریدِ خاص تھے۔ اُن کے توسط سے پیر صاحب نے بھی حضرت سیالویؒ کے ہاتھ پر سلسلۂ چشتیہ میں بیعت کی اور خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔

علوم مروجہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے تو سیر و سیاحت کے لئے وطن سے نکل کھڑے ہوئے۔ تین چار سال لاہور میں مقیم رہے۔ اُن کا قیام حافظ محمد دین (کشمیری بازار) کے ہاں تھا۔ زیادہ وقت دریائے راوی کے کنارے ریاضت و عبادت میں گزارتے تھے یا شیخ الٰہی بخش کتب فروش کی دکان پر گزرتا تھا۔ اُن کی علمی وجاہت کے پیش نظر انجمن نعمانیہ لاہور نے اُن کی خدمات مدرسہ نعمانیہ کے لئے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ۱۳۰۱ھ/ ۸۴-۱۸۸۳ء میں اُنہوں نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ طلبہ شاہی مسجد لاہور کے حجروں میں رہتے تھے اور وہ درس کے لئے مسجد حاضر ہوجاتے تھے۔ قیامِ لاہور کے بعد مالیر کوٹلہ، ملتان، مظفر گڑھ اور ڈیرہ غازی خان کے اضلاع کے سفر کئے۔ اسی زمانے میں اجمیر شریف بھی گئے۔

۱۳۰۷ھ/ ۱۸۹۰ء میں سفرِ حج پر روانہ ہوئے۔ مکہ معظمہ میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی (بانی مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ) سے ملاقات ہوئی۔ مدرسہ صولتیہ کے مدرس مولانا محمد غازی پیر صاحب کے علم و تقویٰ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ وہ اُن کے ہمراہ گولڑہ شریف

آ گئے تھے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (م ۱۳۱۷ھ) کے درسِ مثنوی میں شریک ہوئے۔ پیر صاحب نے مسئلہ وحدت الوجود کے موضوع پر ایسی علمی اور پُرتاثیر گفتگو کی کہ حاجی صاحب نے خوش ہو کر سلسلۂ چشتیہ صابریہ کا شجرہ لکھ کر عنایت کیا۔ پیر صاحب لکھتے ہیں:

"بوقت زیارت بیت اللہ کے حاجی امداد اللہ صاحب کہ اہلِ کشف و کرامت تھے خود ہی نعمتِ باطنی بخشنے کو اس عاجز کی طرف متوجہ ہوئے۔ ہمارے دل میں خیال آیا کہ جو چہرہ ہم نے دیکھا ہے وہ جہان میں نظر نہیں آتا۔ اُن کے کمال اصرار کے بعد کہا گیا کہ ہم کو تو حاجت نہیں لیکن آپ کی عنایت میں جو آپ کی رضامندی سے ہے نہایت مشکور ہیں اور نیز یہ عنایت بھی ہم اپنے شیخ کی جانب سے جانتے ہیں۔ بعدہٗ اُنھوں نے سلسلۂ صابریہ اکرام فرمایا"[1]

حاجی صاحب نے پیر صاحب کو مشورہ دیا کہ وہ جلد ہندوستان واپس چلے جائیں کیونکہ "ہندوستان میں عنقریب ایک فتنہ برپا ہونے والا ہے"، چنانچہ پیر صاحب اس مشورے کے مطابق قیامِ حرمین کا ارادہ ترک کر کے واپس وطن آ گئے۔ حضرت حاجی صاحب کے کشف کو پیر صاحب "مرزائے قادیانی کے فتنہ" سے تعبیر کرتے تھے۔[2]

پیر صاحب نے مرزائے قادیانی کے فتنے کی روک تھام کے لئے "سخت اور عملی" کام کیا۔ اُنھوں نے ۱۳۱۷ھ/۱۹۰۰-۱۸۹۹ء میں ایک رسالہ "شمس الہدایت فی اثباتِ حیاتِ المسیح" لکھا۔ اُن کی یہ کوشش بہت پسند کی گئی۔ مولانا عبدالجبار

۱؎ مقالاتِ مرضیہ ص ۱۴۲

۲؎ ایضاً ص ۱۰۲

غزنویؒ (م ۱۳۳۱ھ) نے پیر صاحب کو لکھا:

"کتاب شمس الہدایت در ردِّ ملاحدۂ دہر و زنادقۂ عصر خذلہم اللہ از نظر احقر گذشت۔ از مطالعہ اش حظِّ وافر و خیرِ ظاہر برداشتم"[1]

مرزا صاحب نے کتاب کا کوئی جواب دینے کے بجائے ۲۲ جولائی ۱۹۰۰ء/۲۴ ربیع الاولیٰ ۱۳۱۸ھ کو ایک طویل اشتہار چھاپ دیا اور پیر صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے عربی زبان میں تفسیر نویسی کا چیلنج داغ دیا۔ پیر صاحب نے چیلنج قبول کرتے ہوئے لکھا کہ مرزا صاحب علماء و صوفیاء کو دعوتِ مبارزت دیتے رہتے ہیں۔ انھیں چاہئیے کہ وہ علماء سے اپنے دعاوی اور عقائد پر گفتگو کریں اور اگر وہ عربی زبان میں مہارت دکھانے پر بضد ہیں تو وہ اس کے لئے بھی حاضر ہیں۔ اشتہار بازی کے بعد ۲۴ اگست ۱۹۰۰ء/۲۷ ربیع الاخریٰ ۱۳۱۸ھ کو شاہی مسجد لاہور میں مناظرہ طے پایا۔ پیر صاحب اور دوسرے علماء شاہی مسجد میں وقتِ مقررہ پر پہنچ گئے مگر مرزا صاحب نے راہِ فرار اختیار کی۔ اس کے بعد مرزا صاحب نے تفسیر سورۂ فاتحہ (اعجاز المسیح) شائع کر کے اپنی بات رکھنے کی کوشش کی مگر پیر صاحب نے "سیفِ چشتیائی" میں مرزا صاحب کی عربی دانی کی قلعی کھول دی۔ پیر صاحب نے صرف و نحو، لغت، بلاغت، معانی اور منطق کے قواعد کی رُو سے "اعجاز المسیح" کی اغلاط گنائی ہیں نیز سرقہ، تحریف اور التباس کے تقریباً ایک سو اعتراضات کئے ہیں جو آج تک قائم ہیں۔[2] "سیفِ چشتیائی" کے بارے میں مولانا اشرف علی تھانویؒ (م ۱۳۶۲ھ) نے اپنی تفسیر "بیان القرآن" (زیر سورۂ نساء آیت ۵۵) میں لکھا ہے کہ:

۱؎ بحوالہ مہرِ منیر

۲؎ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "مہرِ منیر" سوانح حیات پیر سید مہر علی شاہ گولڑویؒ

"حیات و موتِ عیسوی کی بحث میں کتاب سیفِ چشتیائی قابلِ مطالعہ ہے"

اسی طرح مولانا محمد انور شاہ کاشمیریؒ نے اپنی تالیف "عقیدۃ الاسلام فی حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام" کے دیباچہ میں اس کی تعریف کی ہے۔

پیر سید مہر علی شاہ نے مولانا عبد الاحد خانپوری کے ساتھ بعض مسائل میں اختلاف کیا اور دونوں طرف سے رسالہ بازی ہوئی۔ نذر و نیاز، سماعِ موتی اور استمداد وغیرہ ان رسائل کے موضوعات تھے۔

پیر صاحب صوفی صافی اور فلسفۂ وحدت الوجود پر گہری نظر رکھنے والے تھے۔ شیخ اکبر ابن عربی (م ۶۳۸ھ) کے رمز شناس تھے۔ علامہ اقبالؒ نے بھی اس مسئلے کے لئے اُن کی طرف رجوع کیا۔ اُنہیں ایک خط میں لکھتے ہیں:

"اس وقت ہندوستان بھر میں کوئی اور دروازہ نہیں جو پیشِ نظر مقاصد کے لئے کھٹکھٹایا جائے"[۱]

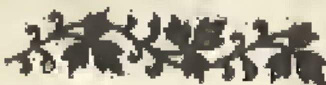
پیر صاحب ۲۹ صفر ۱۳۵۶ھ/۱۱ مئی ۱۹۳۷ء کو فوت ہوئے اور گولڑہ شریف میں دفنائے گئے۔ اُن سے حسبِ ذیل کتب یادگار ہیں:

۱۔ تحقیق الحق فی کلمۃ الحق (فارسی۔ ۱۳۱۵ھ)
۲۔ شمس الہدایت فی اثبات حیات المسیح (۱۳۱۷ھ)
۳۔ سیفِ چشتیائی (۱۳۱۹ھ)
۴۔ "اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان "ما اھل بہ لغیر اللہ"" (۱۳۲۲ھ)
۵۔ الفتوحات الصمدیہ (۱۳۲۵ھ)

۶۔ تصفیہ مابین سُنّی و شیعہ (غیر مطبوعہ)
۷۔ فتاویٰ مہریہ
۸۔ مکتوباتِ مہریہ

پیر صاحب پنجابی اور فارسی میں کبھی کبھی نعتیہ اشعار کہتے تھے اور مہرؔ تخلص کرتے تھے۔
اُن کی اس پنجابی نعت سے شاید ہی کوئی پنجابی بولنے والا ناآشنا ہو:

کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا گستاخ اکھیں کتھے جا اڑیاں



مہر محمد اچھروی

مولانا مہر محمد اچھروی بن عبداللہ ۱۳۱۴ھ/۹۷-۱۸۹۶ء میں بمقام چوکھنڈی ضلع اٹک پیدا ہوئے۔ ابھی آٹھ سال کے تھے کہ اُن کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ خوشحال میں ابتدائی مکتبی تعلیم حاصل کی اور قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا۔ اس کے بعد خوشاب میں حافظ عطاء الرسول سے حفظِ قرآن مکمل کیا۔ استادِ مکرم حافظ عطاء الرسول کی وفات پر بچوں کو قرآن (حفظ و ناظرہ) پڑھانے لگے۔

مولانا مہر محمد جس علاقے سے تعلق رکھتے تھے۔ وہاں شاید ہی کوئی گھرانہ تھا جس کا کوئی نہ کوئی فرد فوج میں ملازم نہ تھا۔ مولانا موصوف بھی اسی سماجی پس منظر میں فوج میں چلے گئے۔ ایک دفعہ چند قیدی اُن کی نگرانی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو رہے تھے کہ راستے میں قیدی بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس "نا اہلی" کی بنیاد پر اُن کی ملازمت ختم کر دی گئی۔

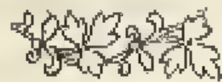
فوج سے الگ ہو کر دینی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ فارسی درسیات بندیال (ضلع سرگودھا) میں مولانا سلطان محمود سے پڑھیں۔ اس کے بعد تھانیاں (مظفر گڑھ) کے مولانا غلام حسین اور مولانا غلام محمد گھوٹوی سے اکتسابِ فیض کیا۔ مولانا گھوٹوی بغرضِ حج ارضِ حجاز تشریف لے گئے تو اُن کی عدم موجودگی میں مولانا غلام رسول (ساکن انہی) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ مولانا گھوٹوی کی واپسی پر اُن سے سندِ فراغ حاصل کی۔

فارغ التحصیل ہو کر جامعہ فتحیہ اچھرہ لاہور میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔ درمیان میں کچھ عرصہ ستوکی (مضافات لاہور) میں مقیم رہے۔ آخر دم تک جامعہ فتحیہ سے

وابستہ رہے۔ ۲ ربیع الآخر ۱۳۷۵ھ/ ۲۹ نومبر ۱۹۵۵ء کو فوت ہوئے اور جامعہ فتحیہ کے قریبی قبرستان میں دفنائے گئے۔

مولانا مرحوم بلند پایہ عالم اور کامیاب مدرس تھے۔ اُن کے تلامذہ نے علمی اور دینی میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ چند اہم نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا عطا محمد بندیالوی
۲۔ مولانا غلام مہر علی گولڑوی (چشتیاں) مؤلف "الیواقیت المہریہ"
۳۔ مولانا غلام رسول (فیصل آباد)
۴۔ مولانا محمد معراج الدین
۵۔ مولانا محمد عبدالحق (لاہور)
۶۔ مولانا عنایت اللہ چشتی (کالا باغ)



سید میر حسن سیالکوٹی

مولانا سید میر حسن بن سید شاہ محمد سیالکوٹ کے دیندار خانوادہ سادات کے چشم و چراغ تھے۔ ۱۸ اپریل ۱۸۴۴ء / ۲۹ ربیع الاولیٰ ۱۲۶۰ھ کو اپنے ننھیال فیروز والا ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ "رونق بخش" تاریخی نام ہے۔

مولانا میر حسن کے والد ماجد عالم دین اور حاذق طبیب تھے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اور قرآن مجید والد ماجد سے پڑھا۔ بعض کتابیں پسرور کے ایک عالم مولانا شیر محمد سے پڑھیں جو سیالکوٹ کے بازار "دو دروازہ" کی مسجد میں امام تھے۔ ان کے علاوہ کسی کے سامنے باضابطہ زانوئے تلمذ تہہ نہ کیا۔ اپنے ذاتی مطالعہ، لگن اور علمی انہماک سے بلند مرتبہ حاصل کیا۔

مولانا موصوف کے والد چاہتے تھے کہ وہ طب کو ذریعہ معاش بنائیں مگر انہوں نے اشاعت علم اور تدریس کو اپنے لیے پسند کیا۔ ابتدا میں چند روز ایک مسجد میں فرائض امامت ادا کیے مگر جلد ہی سکاچ مشن ہائی سکول سیالکوٹ میں ملازمت مل گئی۔ یہی سکول بعد میں کالج بنا اور مولانا میر حسن عربی اور دینیات کے پروفیسر رہے۔

فرائض منصبی کے علاوہ طلبہ کو عربی و فارسی پڑھاتے تھے۔ ان کا طریقہ تدریس ایسا تھا کہ طلبہ میں ادب و شعر کا صحیح ذوق پیدا ہو جاتا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ فارسی کے ایک شعر کی تشریح کرتے ہوئے اردو اور پنجابی کے کئی مترادف شعر پڑھ دیتے اور اس وقت تک سمجھاتے رہتے جب تک مطلب واضح نہ ہو جاتا۔

موصوف درس و تدریس اور علمی مشاغل کے علاوہ رفاہی کاموں میں بھی حصہ لیتے رہتے تھے۔ ۱۹۱۲ء کے اختتام پر انجمن اسلامیہ سیالکوٹ کے صدر چنے گئے۔ انجمن کے تاریخ نگار کے الفاظ میں "یہ انجمن کی خوش قسمتی تھی کہ اس کو آغاز سے ہی ایسے نامور انسان کی خدمات سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا جس کی وجہ سے انجمن کی شہرت میں غیر معمولی اضافہ

ہوا۔"[1] ۲۵ اپریل ۱۹۱۳ء کو عہدہ صدارت سے مستعفی ہو گئے تاہم نئے انتخابات تک فرائض صدارت انجام دیتے رہے۔ ان کا جانشین اپریل ۱۹۱۴ء کو منتخب ہوا۔

مولانا میر حسن راسخ العقیدہ حنفی المسلک[2]، درویش صفت انسان تھے۔ رواداری میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کے شاگردوں میں ہندو، سکھ، مسلمان اور عیسائی سب ہی شامل تھے۔ تحریک علی گڑھ کے ہم نواؤں میں سے تھے اور پنجاب کے ان دو چار افراد میں سے تھے جن پر سرسید احمد خان کو اعتماد تھا۔ ۱۸۷۷ء میں علی گڑھ کالج کا سنگ بنیاد رکھا گیا تھا اس تقریب میں مولانا موصوف بہ نفس نفیس شریک ہوئے تھے۔

سادہ زندگی گزارتے تھے۔ مطالعہ کے رسیا تھے، ہر اہم کتاب دیکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ جہاں کہیں نایاب یا کمیاب کتاب پاتے، خرید لیتے اور اگر خریدنے کی استطاعت نہ ہوتی تو اُسے نقل کر لیتے تھے۔ قلمی کتابوں کی نقلیں تو انہوں نے بے شمار کی تھیں۔ عبدالمجید سالک نے لکھا ہے:

"اقبال لاہور میں پروفیسر تھے۔ اس زمانے میں کہیں سیالکوٹ جانا ہوا تو کیا دیکھتے ہیں کہ شاہ صاحب فلوگل کی نجوم الفرقان کو نقل کر رہے ہیں۔ پوچھا حضرت آپ اس مطبوعہ اور ضخیم کتاب کو نقل کرنے کی زحمت کیوں فرماتے ہیں؟ جواب: کیا کروں، اس کی قیمت چالیس روپے ہے اور مجھ میں مقدرت نہیں۔ اقبال نے اسی وقت نجوم الفرقان خرید کر نذر کی۔"[3]

مولانا موصوف کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا۔ حافظ عبدالمنان محدث وزیرآبادی

---

[1] تاریخ انجمن اسلامیہ سیالکوٹ ص ۲۵

[2] تاریخ سیالکوٹ ص ۱۰۲

[3] ذکر اقبال ص ۲۷۵

سے ارادت مندانہ تعلقات تھے۔ سر سید احمد خان، مرزا غلام احمد قادیانی (جو ایک عرصہ سیالکوٹ میں مقیم رہے تھے)، حکیم نورالدین قادیانی وغیرہ سے مراسم تھے۔ ۱۹۲۲ء میں حکومت نے انہیں "شمس العلماء" کا خطاب دیا۔

روایت ہے کہ جب علامہ اقبال کو باقاعدہ خطاب دینے سے پہلے گورنر پنجاب میک لیگن نے "نائٹ ہڈ" کا خطاب قبول کرنے کے لیے بلایا تو انہوں نے اپنے استاد محترم سید میر حسن کا نام پیش کیا کہ انہیں "شمس العلماء" کا خطاب دیا جائے اور جب گورنر نے ان کی کسی تصنیف کا پوچھا تو علامہ اقبال نے جواب دیا کہ وہ خود ان کی زندہ تصنیف ہیں۔ چنانچہ گورنر نے خطاب دیئے جانے پر رضامندی کا اظہار کر دیا۔

علامہ اقبال نے یہ شرط بھی پیش کی کہ مولانا کو سند کے لیے لاہور آنے کی زحمت نہ دی جائے۔ چنانچہ یہ شرط بھی مان لی گئی اور مولانا کے خطاب کی سند ان کے صاحبزادے ڈاکٹر سید تقی علی شاہ نے حاصل کی اور انہوں نے یہ سند اپنے والد محترم کو سیالکوٹ پہنچائی۔

مولانا پچاسی سال کی عمر پا کر ۲۵ ستمبر ۱۹۲۹ء / ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۴۸ھ کو سیالکوٹ میں فوت ہوئے۔ تمام شہر ماتم کدہ بن گیا۔ ہر مذہب و ملت کے لوگوں نے رنج و غم کا اظہار کیا۔ مرحوم کی وصیت کے مطابق مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے میت کو غسل دیا اور نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کا مزار بڑی عید گاہ کے قریب حاجی ڈاکٹر فیروز الدین صاحب کے قبرستان کے نزدیک واقع ہے۔[1]

مولانا مرحوم کے شاگردوں میں مندرجہ ذیل نام بہت نمایاں ہیں:

۱۔ علامہ محمد اقبال

---

[1] تاریخ سیالکوٹ، ص ۱۰۶

۲۔ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

۳۔ مولانا ظفر اقبال

۴۔ منشی غلام قادر فصیح

۵۔ مولوی احمد دین ریڈر

۶۔ محمد مسیح پال (امین حزیں سیالکوٹی)



محمد نبی بخش حلوائی

مولانا محمد نبی بخش حلوائی ۱۸۶۰ء/۷۷-۱۲۷۶ھ میں لاہور کے ایک ارائیں خاندان میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد ماجد میاں محمد وارث دہلی دروازے کے اندر روتی محلہ (ذکر متلی) میں رہائش پذیر تھے اور کھیتی باڑی پر گزر اوقات تھی۔

مولانا محمد نبی بخش کے خانوادے میں کوئی علمی روایت نظر نہیں آتی۔ وہ دس برس کے ہوئے تو محلے کے ایک حلوائی کی شاگردی میں دے دیئے گئے۔ حلوائی کی دکان پر کام کرنے کے ساتھ مسجد میں قرآن مجید پڑھا کرتے تھے۔ فطری دینی ذوق اور علمی دلچسپیوں سے علوم دینی پڑھنے شروع کئے۔ مدرسہ فتحیہ اچھرہ، مدرسہ غوثیہ تکیہ سادھواں اور مدرسہ نعمانیہ میں وقتاً فوقتاً زیر تعلیم رہے۔

مولانا غلام دستگیر قصوری سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت تھے۔ اُن کی رحلت پر پیر جماعت علی شاہ ثانی لاثانی علی پوری سے تجدید بیعت کی تھی۔ مولانا محمد نبی بخش اصلاح و تبلیغ کا بے پناہ جذبہ رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے انداز دعوت و تبلیغ میں بے پناہ کشش رکھی تھی۔ ابتدا میں گاؤں گاؤں جا کر وعظ کہتے تھے اور پنجابی زبان میں خطاب کرتے تھے۔ مولانا غلام دستگیر قصوری نے اُن کے شعری ذوق اور اصلاحی جذبے کے پیش نظر قرآن پاک کی منظوم پنجابی تفسیر لکھنے کا حکم دیا اور بسم اللہ کا ترجمہ یوں کیا ع

اسم اللہ دے نال شروع ہے جو بخشش دا سائیں
کامل مہر محبت والا پالے آخر تائیں

مولانا محمد نبی بخش نے پندرہ جلدوں میں "تفسیر نبوی" مکمل کی۔ جس زمانے میں

تفسیر لکھ رہے تھے، دہلی دروازے کے باہر حلوا بیچا کرتے تھے۔ اُن کی زندگی کا یہ پہلو اسلاف کی یاد تازہ کرتا ہے۔

اُنہوں نے اپنی تمام جائیداد تفسیر نبوی کی اشاعت اور کوتوالی کے ساتھ مسجد کی تعمیر میں صرف کر دی۔ لاہور کے معاصر علمائے اہلِ سنّت سے گہرے مراسم رکھتے تھے۔ وسیع المطالعہ بزرگ تھے۔ عربی اور فارسی زبانوں پر کامل عبور تھا۔ مثنوی مولانا روم سے والہانہ لگاؤ تھا اور تصنیف و تالیف کا اچھا سلیقہ رکھتے تھے۔ ۱۹۴۴ء/۱۳۶۳ھ میں الاول فوت ہوئے[1]۔ جناب ابوالطاہر فدا حسین فدا نے حسبِ ذیل قطعۂ تاریخ کہا:

ہو گئے واصل بحق یاں ہمسد مو
عالم ذی مرتبت وہ دین پناہ
بندۂ حق صاحب فضل و کمال
منزلتِ علم و حکم کے بادشاہ
الفتِ خیر البشر کے فیض سے
خُلد میں داخل ہوئے با عز و جاہ
کہہ گیا ملہم فدا سے سالِ وصل
از سرِ الہام در مغفورِ الٰہ

۱۳۶۲ +

۱۳۶۳ھ

مولانا مرحوم کا جاری کردہ مدرسہ، مسجد اور خانقاہ یادگار ہیں۔ مرحوم کے فیض یافتگان

---

[1] جناب شرف قادری صاحب نے سالِ وفات ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۵ء لکھا ہے (تذکرہ اکابر اہلسنت ص ۵۴۰) مگر قطعہ تاریخ سے سالِ رحلت ۱۳۶۳ھ برآمد ہوتا ہے۔

میں مولانا تاج علی نسیم، حافظ محمد عالم سیالکوٹی اور جناب اقبال احمد فاروقی کے نام نمایاں ہیں

مولانا نبی بخش کی تصنیفات یہ ہیں:

۱۔ تفسیر نبوی (پنجابی منظوم، تالیف ۱۳۱۰ھ تا ۱۳۱۷ھ)

۲۔ شفاء القلوب

۳۔ رسالہ اربعہ

۴۔ رسالہ جمعہ

۵۔ اظہار انکار المنکرین من صلوٰۃ الجنین

۶۔ الامتیاز بین الحقیقت والمجاز — [illegible]

۷۔ القارالحامیہ لمن ذم المعاویہ

۸۔ انواع نبوی

۹۔ جامع الشواہد

۱۰۔ قصص المحسنین

۱۱۔ اطلاع الناس فی طلاق الثلاث

۱۲۔ احسان الاموات فی صدقات والاسقاط

۱۳۔ سبیل الرشاد فی حق الاستمداد

۱۴۔ تحقیق الزبان فی آداب المشائخ والاخوان



نظام الدین ملتانی

مولانا نظام الدین کے آباؤ اجداد ملتان کے رہنے والے تھے۔ اُن کی اپنی ابتدائی زندگی بھی ملتان میں گزری۔ بعد میں وزیر آباد میں منتقل ہو گئے اور طبعی عمر کو پہنچ کر وزیر آباد میں فوت ہوئے۔ تاریخ وفات معلوم نہیں ہو سکی۔

اُنہوں نے حضرت امیر سلطان (سجادہ نشین سلطان باہُو) کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ مناظرانہ مزاج رکھتے تھے۔ اُن کی تحریروں میں بھی مناظرانہ انداز ہوتا تھا۔ اُن کی تالیفات پر عموماً یہ اعلان شائع ہوتا تھا:

"اہلِ اسلام کو واضح ہو کہ اگر آپ کو کوئی وہابی، شیعہ، مرزائی، چکڑالوی دیوبندی،
ستائے اور چیلنج دے تو فوراً مولانا محمد نظام الدین ملتانی رئیس المناظرین
کو باانتظام جلسہ طلب کریں، لیکن دس دن پہلے اطلاع دیں۔ ممدوح صاحب
اُن کے ساتھ ہر وقت مناظرہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔"[1]

مولانا موصوف اپنے مخالفین کے بارے میں عام طور پر سخت لب و لہجہ اختیار کرتے تھے۔ جناب شرف قادری صاحب نے اُن کی حسب ذیل کتابوں کا ذکر کیا ہے۔[2]

۱۔ سلطان الفقہ المعروف بہ فتاویٰ نظامیہ (گیارہ حصّے)
۲۔ تکملہ سلطان الفقہ
۳۔ حقیقت مذہب شیعہ (چار حصّے)

---

[1] تذکرہ اکابر اہل سنت ص ۵۵۰
[2] ایضاً ص ۵۵۰ - ۵۵۱

۴۔ بم کا گولہ بر رافضی ٹولہ
۵۔ قہرِ یزدانی بر قلعۂ قادیانی
۶۔ اباطیل وہابیہ
۷۔ النصح والمآرب فی احکام اللحی والشوارب
۸۔ القول الجلی فی رد حسین علی دیوبندی
۹۔ عقائد علماء دیوبند
۱۰۔ بلاغ المبین
۱۱۔ تغییر نور
۱۲۔ مُکّہ بجواب طمانچہ
۱۳۔ سیرت المقلّدین
۱۴۔ تحفۃ الناظرین یادگارِ نظام الدین
۱۵۔ سیف النعمان علی اہل الطغیان
۱۶۔ سلطان التفاسیر (دس پارے)
۱۷۔ زمانے کا تغیّر
۱۸۔ راہِ عرفان (بزبان پنجابی)
۱۹۔ تحفۂ دستگیر
۲۰۔ تحفۂ محبوبِ سُبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی المعروف بہ شرح قصیدہ غوثیہ (قصیدۂ غوثیہ کا پنجابی ترجمہ اور اُردو شرح ہے)۔
۲۱۔ صمصام الامامیہ علی اعناق الرافضیہ
۲۲۔ جرعہ تسلیین در حلق غیر مقلدین
۲۳۔ ظل الغمام فی عدم جواز القاتحہ خلف الامام

۲۴۔ رسالہ عدم جواز رفع یدین و آمین بالجہر

۲۵۔ اصلاح الطالبین

۲۶۔ تحقیق مسئلہ ہمہ اوست

۲۷۔ انگار عشق، ڈبل روٹی شرح پکی روٹی

۲۸۔ درِ ثمین المعروف فیوضاتِ سلطانی مع رسالہ اثباتِ ذکرِ جہر



نور احمد فرید آبادی

مولانا نور احمد موضع پالی آہنہ تحصیل خانپور ضلع رحیم یار خان کے رہنے والے تھے۔ مولانا الٰہی بخش شاگرد مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی سے علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ فارغ التحصیل ہو کر اپنے گھر میں درس و تدریس شروع کی۔

خواجہ محمد بخش نازک بن خواجہ غلام فرید سے بیعت تھے۔ خواجہ محمد بخش نے انہیں خلافت سے سرفراز کیا تھا۔ خواجہ غلام فرید سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔ اُن کی نسبت سے اپنے گاؤں کا نام "فرید آباد" رکھ دیا تھا۔

مسلک اہل سنت کے زبردست داعی تھے جب قادیانیوں نے خواجہ غلام فریدؒ کے جعلی خطوط سے اپنے حق میں استدلال کیا تو انہوں نے دلائل و شواہد سے حقیقت حال واضح کی۔

مولانا نور احمد فرید آبادی موضع پالی آہنہ (فرید آباد) میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے[1]۔ اُن سے متعدد کتابیں یادگار رہیں مگر کوئی بھی زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہو سکی۔

مولانا نور احمد فرید آبادی سے سینکڑوں افراد نے سلسلۂ چشتیہ میں بیعت کی۔ اُن کے حلقہ میں سے چند نام یہ ہیں:

۱۔ صاحبزادہ مولانا محمد اعظم (صاحبزادہ)

۲۔ صاحبزادہ عبدالرسول (")

۳۔ مولانا محمد یار ساکن گڑھی اختیار خان

۴۔ مولانا غلام رسول جتوئی

---

[1] اولیائے بہاولپور ص ۲۸۳-۲۸۴

سیّد نورالحسن شاہ

مولانا سیّد نورالحسن شاہ بن سیّد غلام علی شاہ بن سیّد حیات علی شاہ بن سیّد عالم شاہ بن سیّد سکندر شاہ ۲۷ر جمادی الاولیٰ ۱۳۰۶ھ / ۳۰ر جنوری ۱۸۸۹ء کو پیدا ہوئے۔ اُن کے اجداد بخارا سے ترکِ سکونت کر کے برصغیر میں وارد ہوئے تھے۔ اس خاندان میں کئی اہلِ علم بزرگ گزرے ہیں۔ قصیدہ بُردہ کے شارح علی جلال چنابی اور جمال چنابی اس خانوادے کے گلہائے سرسبد تھے۔

مولانا سیّد نورالحسن شاہ کے دادا سیّد حیات علی شاہ جیّد عالم اور اللہ والے بزرگ تھے۔ اُن کے صاحبزادے سیّد غلام علی شاہ (والد سیّد نورالحسن شاہ) صوفی منش بزرگ تھے اور خواجہ اللہ بخش تونسوی کے ارادت مندوں میں سے تھے۔ سیّد غلام علی شاہ کافی مدت موضع احمد نگر چٹھہ میں مقیم رہے۔ مقامی سکول میں پہلے اوّل مدرّس اور بعد میں ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے کام کیا۔

مولانا سیّد نورالحسن نے ابتدائی تعلیم احمد نگر چٹھہ میں حاصل کی۔ بعد میں اپنے برادر بزرگ سیّد حسین شاہ کے ہمراہ پنڈی بھٹیاں میں مقیم رہے۔ چھٹی جماعت میں پڑھتے تھے کہ تعلیم کو خیرباد کہہ دیا اور آبائی گاؤں کیلیانوالہ ضلع گوجرانوالہ چلے گئے۔ کیلیانوالہ خوشنویسوں کی وجہ سے پنجاب بھر میں ممتاز ہے اور بعض خاندانوں میں پشت در پشت فنِ خوشنویسی چلا آ رہا ہے۔ مولانا سیّد نورالحسن نے یہ فن مولوی نور الٰہی سے سیکھا۔ اُن کی کتابت کردہ دو کتابیں "حکایات الصالحین" اور "مرآۃ المحققین" زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی تھیں تاہم اس فن کو مستقل طور پر نہ اپنا سکے۔

کھیتی باڑی سے آذوقۂ حیات حاصل کرتے تھے بعد میں ٹھیکیداری شروع

کر دی۔ اسی سلسلے میں وہ شرقپور آنے جانے لگے۔ حضرت شیر محمد شرقپوریؒ سے تعلق پیدا ہوا اور اُن کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ اُن کے ایما پر کتاب و سنّت کی تعلیم حاصل کی اور خلافت سے نوازے گئے۔

مولانا سیّد نورالحسن شاہ، حضرت شرقپوری کے حلقۂ ارادت میں آنے سے پہلے شیعہ مسلک پر عامل تھے۔ جب اُنھوں نے اہلِ سنّت کا مسلک اختیار کیا تو اُن کے احباب و اعزّہ نے مخالفت کی۔ اسی سبب اُن پر قاتلانہ حملہ بھی کیا گیا۔

مولانا سیّد نورالحسن شاہ تریسٹھ سال کی عمر میں ۳ر ربیع الاوّل ۱۳۷۲ھ / ۲۱ر نومبر ۱۹۵۲ء کو کیلیانوالہ میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہیں۔ مختلف شعراء نے اُن کے وصال پر قطعاتِ تاریخ کہے تھے۔ غلام حسین واصف کا ایک قطعۂ تاریخ یہ ہے[1] ؎

غوثِ وقت، خوش خلق و قمر و ہمس ظاہر و دیں!
جنّتے بر منصبش تالیف و اہ
قطبِ عالم سیّدی نورالحسن
بے عدیلش راست گر خواہی بگو
وصل با حق کرد و تاریخ وصال
یک ہزار و سہ صد و ہفتاد و دو

۱۳۷۲ھ

مولانا مرحوم کی اولاد میں دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہیں۔ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں:

---

[1] انشراح الصدور در تذکرۃ النور، ص ۲۰۰

نورالدین فاروقی

مولانا حافظ نورالدین فاروقی بن حافظ غلام رسول ہم ۱۲۴۰ھ/۲۵-۱۸۲۴ء کے لگ بھگ موضع ٹھیکریاں مونیاں ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ فاروقی النسب تھے۔ اُن کے والد بزرگوار حافظ غلام رسول درسِ نظامی کے فاضل اور جید عالم تھے۔

مولانا نورالدین نے گیارہ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور اٹھارہ سال کی عمر میں درسِ نظامی کی تکمیل کی۔

مولانا غلام محی الدین قصوری سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے اور اُن کے ممتاز ترین خلفاء میں سے تھے۔ خواجہ قصوری سے خلافت پاکر چکوڑی بھیلووال نزد لالہ موسیٰ میں سکونت اختیار کی اور سلسلہ درس و تبلیغ شروع کیا۔

۱۳۰۲ھ/۸۵-۱۸۸۴ء میں اس عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کو روانہ ہوئے۔[۱] چکوڑی شریف میں دفنائے گئے۔

قطعہ تاریخ وفات یہ ہے ع

جنابِ فضیلت مآب کمال!
چو کرد انتقال از سرائے زوال
زہے نورِ ملت زہے نورِ حق
زہے نورِ دیں حافظِ قیل و قال

---

[۱] انوارِ محی الدین ص ۲۶۰

بہ تشنج ازلبِ ہاتف، آمد ندا
کہ گو "نقابِ نورِ حق" بہ سال[۱]

۱۳۰۲ھ



---

[۱] تذکرہ اکابر اہلسنت ص ۵۵۵

حافظ سیّد نور اللہ نوشاہی

حافظ سیّد نور اللہ بن حافظ محمد حیات ربّانی بن سیّد جمال اللہ ۱۹ جمادی الاخریٰ ۱۱۴۷ھ/ ۱۶ نومبر ۱۷۳۴ء کو ساہن پال ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ علومِ مروّجہ کی تحصیل اپنے والد ماجد اور بعض دوسرے اساتذہ سے کی۔ صاحبِ علم و فضل بزرگ تھے۔ اُن کا دورِ زندگی طوائف الملوکی کا زمانہ تھا۔ اُن کے علاقے میں چٹھہ خاندان کا حکم چلتا تھا۔ جن کا مرکز قلعہ منچر چٹھہ (ضلع گوجرانوالہ) تھا۔ چوہدری نور محمد چٹھہ نے ۱۱۶۹ھ/۵۶-۱۷۵۵ء میں دریائے چناب کے جنوبی کنارے پر قصبہ رسول نگر آباد کیا اور حافظ سیّد نور اللہ نوشاہی کو مفتیٔ شہر مقرر کیا۔ ۱۲۰۳ھ/۸۹-۱۷۸۸ء میں چوہدری نور محمد چٹھہ کا پوتا چوہدری غلام محمد سکھوں سے لڑتے ہوئے مارا گیا اور چٹھہ خاندان کا آفتاب غروب ہو گیا۔ حافظ سیّد نور اللہ واپس ساہن پال آ گئے اور مسندِ تدریس کو رونق بخشی۔

سکھوں کے عہد میں انہیں حکومت کی طرف سے کچھ روزینہ اور ماہانہ ملتا تھا۔ فقیر سیّد عزیز الدین (م ۱۲۳۰ھ) وزیرِ اعظم بعہدِ خالصہ اُن کے ارادت مند تھے اور اُن سے خط و کتابت رکھتے تھے۔

حافظ سیّد نور اللہ اپنے والد ماجد سے سلسلۂ نوشاہیہ میں بیعت تھے اور اُن کی طرف سے مجازِ بیعت بھی۔ علومِ دینیہ پر گہری نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ خوش بیان واعظ تھے۔

۲۹ صفر ۱۲۲۹ھ / ۱۸ جنوری ۱۸۱۴ء کو بیاسی سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ اور ساہن پال کے خاندانی قبرستان میں دفنائے گئے۔ اُن کی مندرجہ ذیل تصنیفات ملتی ہیں۔ صاحبزادہ شرافت نوشاہی صاحب نے اُن کی ترتیب و تہذیب کی ہے۔

تاحال کوئی بھی زیورِ اشاعت سے آراستہ نہیں ہوئی:

۱۔ فتاویٰ نوشاہیہ الموسوم بہ نور الفتاویٰ (عربی)
۲۔ مصطلحات الصوفیہ (نامکمل)
۳۔ فالنامہ قرآنی
۴۔ حقائقِ نوریہ
۵۔ مکتوباتِ نور اللہ
۶۔ انشائے نور اللہ
۷۔ رقعاتِ نور اللہ

حافظ سیّد نور اللہ نوشاہی کے دو صاحبزادے ہوئے:

۱۔ مولانا حکیم حافظ سیّد الٰہی بخش مظہرِ حق (م ۱۲۵۳ھ)
۲۔ سیّد خدا بخش (م ۱۲۷۷ھ)



نور بخش توکلی

مولانا نور بخش توکلی موضع چک تاھنیاں ضلع لدھیانہ میں پیدا ہوئے[1]۔ اُن کے والد ماجد صوفی منش بزرگ تھے اور نقشبندی سلسلے میں بیعت تھے۔ مولانا نور بخش نے ابتدائی تعلیم مقامی مدارس میں حاصل کی، اعلیٰ تعلیم کے لئے ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ میں داخل ہوئے۔ دوسرے اساتذہ کے ساتھ علامہ شبلی نعمانی (م ۱۳۳۲ھ) سے اکتسابِ فیض کیا۔ انہیں "اُستاذی مخدومی مولانا شبلی نعمانی" کے الفاظ سے یاد کرتے تھے۔ عربی زبان و ادب میں ایم۔ اے کی سند حاصل کی۔

فارغ التحصیل ہوئے تو ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء میں انبالہ چھاؤنی کے ایک سکول میں ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ والد ماجد کے کہنے پر انبالہ کے نقشبندی بزرگ خواجہ توکل شاہ (م ۱۳۱۵ھ) کے ہاتھ پر بیعتِ طریقت کی[2] اور اپنے مرشد کی نسبت سے "توکلی" اُن کے نام کا جزو بن گیا۔

انبالہ سے دہلی منتقل ہوئے۔ ایم۔ بی ہائی سکول میں بطور "ہیڈ مولوی" کام کرتے

[1] شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے ان کا سالِ ولادت ۱۸۷۷ء لکھا ہے (نقوش۔ لاہور نمبر، ص ۱۵۹) بعد کے تذکرہ نگاروں نے اسی کا تتبع کیا۔ لیکن ۱۸۷۷ء اُن کا سالِ ولادت اس لئے نہیں ہو سکتا کہ ۱۸۹۳ء میں اُنہوں نے انبالہ چھاؤنی کے سکول میں ملازمت شروع کی تھی۔ سولہ سال کی عمر میں بمشکل میٹرک کا امتحان پاس کیا جا سکتا ہے جب کہ وہ علی گڑھ کالج سے فارغ التحصیل ہو کر آئے تھے۔

[2] تذکرہ مشائخِ نقشبندیہ، ص ۳۶۴

تھے۔ وہاں سے ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء میں امرتسر آ گئے۔ امرتسر میں مولانا مفتی غلام رسول قاسمی (م ۱۳۱۷ھ) سے درسِ نظامی کی جملہ کتبِ معقولات و منقولات پڑھیں[1]۔

خواجہ توکل شاہ انبالوی کی وفات پر مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی کے ہاتھ پر سلسلہ چشتیہ صابریہ میں بیعت کی۔ انہوں نے اجازت و خلافت سے سرفراز کیا۔ اس کے علاوہ سلسلہ نقشبندیہ میں خواجہ عبدالخالق (م ۱۳۵۰ھ) نے اُن کی دستار بندی کی اور انہیں خواجہ توکل شاہ کی نسبت سے خلافت مرحمت کی۔

مولانا توکلی لاہور آ گئے اور اپنے دینی اور علمی ذوق کے پیشِ نظر "انجمن نعمانیہ" سے منسلک ہو گئے۔ ایک عرصہ انجمن کے ناظمِ تعلیمات رہے اور رسالہ "انجمن نعمانیہ" مرتب کرتے رہے۔ اسی دوران میں گورنمنٹ کالج لاہور کے شعبۂ عربی میں تدریس شروع کی۔ ملازمت کی مصروفیات کے ساتھ تصنیفی اور تبلیغی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے۔

ملازمت سے سبکدوش ہونے پر وطن مالوف "چک تاھنیاں" ضلع لدھیانہ چلے گئے اور وہاں ایک دینی مدرسہ "مدرسہ اسلامیہ توکلیہ" کی بنیاد رکھی۔ مدرسہ اُن کی سرگرمیوں کا محور تھا۔ طلبہ کو خود پڑھاتے اور اُن کے قیام و طعام کا بندوبست کرتے تھے۔ تقسیمِ ہند کے بعد فیصل آباد آ گئے تھے۔ زندگی کے آخری ایام میں مجلسی زندگی تقریباً ختم کر دی تھی اور ہمہ تن لکھنے پڑھنے میں مصروف رہتے تھے۔

۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ/۲۴ مارچ ۱۹۴۸ء کو مکان کی سیڑھی سے گر کر زخمی ہوئے۔ یہی حادثہ جان لیوا ثابت ہوا۔ حسبِ وصیت نور شاہ ولی کے مزار کے ساتھ دفنائے گئے۔

[1] تذکرہ اسلاف، ص ۹۱

مولانا توکلی مرحوم طبعاً سادگی پسند تھے۔ بلند پایہ صوفی اور منجھے ہوئے قلم کار تھے ان کی تالیفات کی فہرست یہ ہے:

۱۔ سیرت رسول عربی

۲۔ عید میلاد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ۱۲ ربیع الاول کو عام طور پر "بارہ وفات" کہا جاتا ہے۔ مولانا توکلی نے سرکاری کاغذات میں "بارہ وفات" کو "عید میلاد النبی" کے نام سے بدلوایا اور اس تاریخ کو عام تعطیل منظور کروائی۔ یہ کتاب اسی موضوع پر ہے۔

۳۔ معجزات نبی

۴۔ اعجاز القرآن

۵۔ عقائد اہلسنت

۶۔ شرح قصیدہ بردہ (اُردو)

۷۔ شرح قصیدہ بردہ (عربی)

۸۔ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ

۹۔ حلیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۱۰۔ غزوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۱۱۔ سیرت غوث اعظم

۱۲۔ تحفہ شیعہ (دو حصے)

۱۳۔ ابو حنیفہ رح

۱۴۔ کتاب البرزخ

۱۵۔ شرح ہمزیہ بوصیریہ

۱۶۔ شرح مولود برزنجی

۱۷۔ رسالہ نور

۱۸۔ الاقوال الصحیحہ فی جواب الجرح علی ابی حنیفہ رح

۱۹۔ امام بخاری شافعی

۲۰۔ مقدمہ تفسیر القرآن

۲۱۔ تفسیر سورہ فاتحہ و سورہ بقرہ

۲۲۔ ترجمہ تحقیق المرام فی منع القرأت خلف الامام (تالیف مفتی غلام رسول قاسمی)

۲۳۔ ترجمہ الرسالۃ الجلیلہ (تالیف مفتی غلام رسول قاسمی)

۲۴۔ افضل المقال فی رد علی الافتی الضال

۲۵۔ صدائے حقانی در حقیقت محبوب سبحانی

۲۶۔ ترجمہ تاریخ گبن (تاریخ حسن)

گبن کی تاریخ سے اہل اسلام سے متعلق حصوں کا ترجمہ ہے۔ ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۴ء میں مطبع فاروقی دہلی سے طبع ہوا۔

متذکرۃ الصدر کتب کے علاوہ انجمن نعمانیہ کے رسالہ میں مطبوعہ بیسیوں مضامین ہیں۔

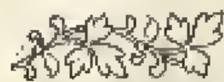


نور جہانیاں

مولانا نور جہانیاں بن مولانا اسد اللہ بہاول پور کے جید علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ مولانا اسد اللہ اپنے دور کے بلند پایہ فاضل تھے۔ وہ "مہاراں" سے نقل مکانی کر کے بہاول پور آ گئے۔ نواب بہاول پور نے اُن کے تبحر اور علمی مرتبے کے پیش نظر احمد پوری دروازے کے اندر اقامت اور مدرسے کے لئے وسیع جگہ دی۔ اسی سال کی عمر میں وفات پائی۔[1]

مولانا اسد اللہ کے علمی منصب پر مولانا نور جہانیاں متمکن ہوئے۔ اُنھوں نے حافظ غلام مرتضیٰ (چیلاواہن) سے اکتسابِ فیض کیا تھا۔ اُن کی عظیم درس گاہ تو یادِ ماضی بن گئی ہے البتہ درس گاہ کا علاقہ "محلہ نور جہانیاں" کے نام سے مشہور ہے۔

مولانا نور جہانیاں درس و تدریس میں مشغول ۱۲۹۰ھ/۷۴-۱۸۷۳ء میں فوت ہوئے۔ اُن کی تالیفات میں سے ایک کتاب "اسدیہ" کا ذکر ملتا ہے جو "مطول" کا وقیع حاشیہ ہے۔ تاحال زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہوا۔[2]



---

[1] جناب مسعود حسن شہاب نے لکھا ہے کہ "مشہور ہے کہ پنجاب کے مشہور عالم مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی نے بھی نحو اور منطق کے بعض نکات آپ سے حل کئے تھے" (اولیائے بہاول پور ص ۲۷۹) یہ روایت درست نہیں۔ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی ۱۰۶۷ھ میں فوت ہو گئے تھے، اور مولانا اسد اللہ بارہویں صدی میں گزرے ہیں۔

[2] اولیائے بہاول پور ص ۲۷۹

خواجہ نور محمد مہاروی

خواجہ نور محمد بن ہندال بن تاتار بن فتح محمد کھرل قبیلے کے فرد تھے۔ دریائے راوی کے کنارے آباد گاؤں "چوٹالہ" میں ۱۴ رمضان ۱۱۴۲ھ/۲ اپریل ۱۷۳۰ء کو پیدا ہوئے۔ اُن کا خاندانی نام "بھبل" تھا جسے خواجہ فخر الدین دہلوی (م ۱۱۹۹ھ) نے نور محمد سے بدل دیا۔ خاندان کی گزر بسر کھیتی باڑی اور گلہ بانی پر تھی۔

خواجہ نور محمد کے بچپن میں اُن کا خاندان چوٹالہ سے "مہاراں" منتقل ہو گیا اور یہ گاؤں اُن کے وجود سے چار دانگ عالم میں مشہور ہوا۔ خواجہ نور محمد نے مقامی مکتب میں حافظ محمد مسعود سے قرآن مجید حفظ کیا۔ اس کے بعد موضع بیلاند کے شیخ احمد کھوکھر سے ابتدائی درسیات پڑھیں۔ اس کے بعد تعلیمی سفر کے لئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ ڈیرہ غازی خان میں کچھ عرصہ مقیم رہے اور شرح ملا جامی تک کتب درسیہ پڑھیں۔ وہاں سے خواجہ حکم دین سیرانی کے ہمراہ لاہور گئے۔ لاہور کا زمانۂ تعلیم اُن کے لئے معاشی مشکلات کا زمانہ تھا مگر اُنھوں نے دل جمعی سے اساتذہ سے استفادہ کیا۔ آخر میں دہلی گئے اور مدرسہ نواب غازی الدین خان میں داخل ہوئے۔ یہاں میاں برخوردار جی ایک قابل اور محنتی استاد تھے جن سے بعض کتابیں پڑھیں۔ "قطبی" پڑھ رہے تھے کہ میاں برخوردار جی کو دہلی سے جانا پڑا اور وہ خواجہ فخر الدین کے ہاں پہنچ گئے۔ اُن سے قطبی کا باقی حصہ مکمل کیا اور حدیث شریف پڑھ کر سندِ فراغ حاصل کی۔[1]

---

[1] مناقب المحبوبین میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ "قطبی" ابھی ختم ہوئی تھی کہ خواجہ فخر الدین نے انہیں فرمایا تم علم ظاہری میں اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ جس قدر پڑھ لیا ہے وہی کافی ہے اور وہ ہمہ تن اوراد و اشغال …

۱۱۶۵ھ/۵۲-۱۷۵۱ء میں استادِ گرامی خواجہ فخرالدین دہلویؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے دہلی میں خواجہ موصوف کی بیعت کی تھی۔ اُن کے زیرِ تربیت رہ کر وہ مہاراں آ گئے۔ حسبِ قاعدہ خانقاہ قائم کی اور عوام کی روحانی اصلاح و تربیت میں مشغول ہو گئے۔ اُن کی ذات مرجعِ عوام تھی اور زیادہ وقت اصلاح و ارشاد میں صرف کرتے تھے۔

خواجہ نور محمد کو اپنے پیر خواجہ فخرالدین دہلویؒ سے بے پناہ محبت تھی۔ سال میں تقریباً چھ ماہ دہلی میں گزارتے تھے۔ ۲۷ جمادی الاخریٰ ۱۱۹۹ھ/۷ مئی ۱۷۸۵ء کو خواجہ موصوف کا انتقال ہوا۔ خواجہ نور محمد کے لئے یہ بہت بڑا صدمہ تھا۔ کچھ عرصے بعد اُن کے عزیز خلیفہ نور محمد ثانی[۱] فوت ہو گئے۔ صدمہ دو چند ہو گیا اور انہوں نے خلوت گزینی اختیار کر لی۔ اسی عالم میں ۳ ذی الحجہ ۱۲۰۴ھ/۳ اگست ۱۷۹۰ء کو جان، جانِ آفرین کو سپرد کی۔ مصرعِ تاریخی ہے ؎

حیف وا ویلا جہاں بے نور گشت[۲]

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) میں جھنگ ہو گئے۔

[۱] مولانا نور محمد بن صالح محمد حاجی پور (سندھ) کے رہنے والے تھے بعد میں ضلع ڈیرہ غازی خاں میں بمقام چاہ نارووالہ میں مقیم ہو گئے، درس و تدریس میں مشغول رہے۔ خواجہ فخرالدین دہلوی سے بیعت ہونے کے لئے انہیں خط لکھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ مثنوی مولانا رومؒ کا مطالعہ کریں اور سلسلۂ چشتیہ کے اوراد و وظائف میں مشغول رہیں اگر بیعت کی خواہش ہو تو خواجہ نور محمد مہارویؒ سے تعلق قائم کریں۔ اُن کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے۔

چنانچہ خواجہ نور محمد مہاروی کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا۔ ۲ جمادی الاولیٰ ۱۲۰۵ھ/۲۲ جنوری ۱۷۹۱ء کو فوت ہو گئے۔ تاریخ وصال لفظ "چراغ" سے برآمد ہوتی ہے۔ مزار حاجی پور میں ہے۔

[۲] مناقب المحبوبین ص ۱۲۰

مفتی غلام سرور لاہوری نے حسبِ ذیل قطعہ تاریخ وفات کہا ہے ؎

حضرت نورِ محمد نورِ حق — جلوہ گر شد چوں بہ گلزارِ جناں

سالِ ترحیلش بقولِ اہلِ سیر — نورِ عرفاں آفتابِ دیں بخواں

اگرچہ مرحوم مہاراں میں فوت ہوئے مگر انہیں قبرستان حضرت تاج سرورؒ میں دفنایا گیا، مزار چشتیاں ریلوے سٹیشن کے شمال مغرب میں پون میل کے فاصلے پر ہے۔ نواب محمد بہاول خان ثالث نے ۱۲۲۲ھ میں مزار پر شاندار عمارت تعمیر کی۔[۱]

خواجہ نور محمد سے ایک زمانے نے روحانی فیض حاصل کیا۔ "مناقب المحبوبین" کے مؤلف نے ۴۴ خلفاء کے نام درج کئے ہیں چند اہم نام یہ ہیں:

۱۔ خواجہ نور محمد ثانی معروف بہ حضرت نارووالہ
۲۔ قاضی محمد عاقل ساکن مٹھن کوٹ
۳۔ میاں محمد فاضل جھکو کارہ
۴۔ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ
۵۔ حافظ محمد جمال ملتانی
۶۔ صاحبزادہ نور محمد مہاروی
۷۔ قاضی احمد علی بن محمد عاقل ساکن مٹھن کوٹ

خواجہ نور محمد مہارویؒ کی اولاد میں تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تھیں۔ صاحبزادوں[۲] کے نام یہ ہیں:

۱۔ شیخ نور الصمد (جانشین)

---

[۱] حدیقۃ الاولیاء ص ۱۰۹

[۲] ذکرِ کرام ص ۲۸

۲۔ شیخ نور احمد

۳۔ شیخ نور الحسن

خواجہ نور محمد مہارویؒ سے کوئی تالیف یادگار نہیں تاہم اُن کے ملفوظات قاضی محمد عمر سید پوری نے "خلاصۃ الفوائد" کے نام سے جمع کئے ہیں۔ خواجہ موصوف کی مہر کا سجع تھا۔

ز نورِ محمد جہاں روشن است



نور محمد لاہوری

مولانا نور محمد بن مولانا غلام مرتضیٰ نقشبندی ۴ دسمبر ۱۸۹۶ء / ۲۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۱۴ھ کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والدِ بزرگوار سے حاصل کی۔ مدرسہ حمیدیہ لاہور میں زیرِ تعلیم رہے۔ آخر میں مولانا مفتی محمد یار خلیق (خطیب سنہری مسجد لاہور) سے فاتحۂ فراغ پڑھا۔

سلسلۂ نقشبندیہ میں اپنے والدِ ماجد سے بیعت اور اُن کے خلیفۂ مجاز تھے۔

۱۳۷۷ھ/ ۵۸-۱۹۵۷ء میں واصل بحق ہوئے۔ اپنے والدِ ماجد کے مزار کے قریب شاہ گنج (لاہور) میں مدفون ہیں۔ مرحوم صاحبِ قلم عالم تھے۔ اُن کی حسبِ ذیل کتابیں معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ تحقیق الوجد
۲۔ توثیق الابحاث
۳۔ جمعیت ربانی
۴۔ ظہور الصفات فی جمیع الموجودات
۵۔ حج فقیر بر آستانہ پیر

اُن کے کئی مضامین اخبار "الفقیہ" (امرتسر) کے صفحات میں محفوظ ہیں۔



سیّد ولایت شاہ ہمدانی

سیّد ولایت شاہ بن سیّد چراغ شاہ بن سیّد کامل شاہ بن سیّد محمد زاہد ہمدانی ۱۲۴۶ھ/ ۳۱-۱۸۳۰ء میں قصور میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد ابتدائی درسیات اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ مولانا خدا بخش شاگرد مولانا غلام محی الدین قصوری سے علمی استفادہ کیا۔

بہترین عالم دین اور اچھے طبیب تھے۔ ہم عصر اطبا میں سب سے زیادہ مرجع خلائق تھے۔ سلسلۂ قادریہ میں اپنے والد محترم سے بیعت تھے۔ چار پانچ روز بخار میں مبتلا رہ کر ۹ رمضان ۱۳۲۶ھ/ ۵ اکتوبر ۱۹۰۸ء کو اللہ کو پیارے ہو گئے اور کوٹ مراد خان قصور میں اپنے والد کے پہلو میں دفنائے گئے۔ مرحوم کے عزیز سیّد محمد زمان شاہ نیازی نے "علم سن منبع الفضائل بود" سے تاریخ وفات اخذ کی ہے۔

۱۳۲۶ھ

سیّد ولایت شاہ ہمدانی کے حسب ذیل فرزند ہیں:

۱۔ سیّد عبدالحق شاہ
۲۔ سیّد شہاب الدین شاہ
۳۔ سیّد جلال الدین شاہ

مرحوم کی تصنیفات یہ ہیں:

۱۔ ہدیۃ المحسنین فی رد رفع الیدین
۲۔ خلاصہ قرابادین
۳۔ تلخیص تفسیر کبیر (عربی قلمی)
۴۔ انتخاب مسائل تفسیر الرازی (پارہ دوم سوم قلمی)
۵۔ الوقوف (فن تجوید، قلمی)
۶۔ حاشیہ قرآن مجید (قلمی)

سیّد ولایت شاہ گجراتی

پیر سیّد ولایت شاہ بن پیر احمد شاہ موضع رانیوال ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ وہیں ۱۳۰۶ھ/ ۸۹-۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔ لڑکپن میں حصول تعلیم کے لیے گھر سے نکلے۔ مدرسہ تعلیم القرآن حضرو ضلع اٹک میں قرآن مجید حفظ کیا اور مولانا قاری غلام نبی للّٰہی سے فن تجوید میں مہارت بہم پہنچائی۔ مولانا غلام حیدر بھوئی سے درس نظامی کی چند کتابیں پڑھیں۔ بعد میں مدرسہ نعمانیہ لاہور میں زیر تعلیم رہے۔ یہیں سے سند فراغت حاصل کی۔ اساتذۂ مدرسہ کے علاوہ مولانا غلام محمد گھوٹوی سے استفادہ کیا جو ان سے چند کتابیں آگے تھے۔

۱۳۳۴ھ میں نقشبندی سلسلے کے بزرگ پیر جماعت علی شاہ علی پوری سے بیعت ہوئے اور سلسلۂ نقشبندیہ کے اشغال و اوراد مکمل کیے۔ پیر جماعت علی شاہ مرحوم کے خلفاء میں سیّد ولایت شاہ کا نام بہت نمایاں ہے۔

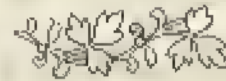
پیر ولایت شاہ صاحب کو قرآن مجید کی تعلیم عام کرنے کا شوق تھا۔ اور عمر بھر اس مقصد کے لیے کوشاں رہے۔ گجرات میں مسجد خاقانی پیر بخش مرحوم بالکل ویران پڑی ہوئی تھی۔ انہوں نے ۱۳۳۵ھ میں "مدرسہ تعلیم القرآن" قائم کر کے مسجد آباد کر دی۔

پیر جماعت علی شاہ صاحب کی راہنمائی میں انہوں نے گجرات میں "انجمن خدام الصوفیہ" قائم کی اور ۱۳۴۳ھ میں اس انجمن کے زیر اہتمام مدرسہ "خدام الصوفیہ" کی بنیاد رکھی۔ مدتوں یہ مدرسہ دینی تعلیم کا ایک اہم مرکز رہا۔ مولانا محمد بخش، مفتی عبدالحفیظ اگروی، قاضی عبدالسبحان ہزاروی اور مفتی احمد یار خان گجراتی جیسے فضلاء نے تدریسی کام کیا۔

پیر صاحب کے تعمیراتی کارناموں میں سے ایک محلہ علی پورہ گجرات کی خوبصورت مسجد ہے جو ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء میں مکمل ہوئی۔ ۱۳ جولائی ۱۹۷۱ء/ ۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۱ھ

کو وفات پائی اور مذکورہ مسجد کے پہلو میں دفنائے گئے۔

پیر صاحب مرحوم کی اولاد میں سات صاحبزادے ہیں جن میں مولانا سید محمود شاہ ملک گیر شہرت رکھتے ہیں۔



حافظ ولی اللہ لاہوری

حافظ ابو اسحاق ولی اللہ لاہوری ۱۲۵۱ھ/۱۸۳۵-۳۶ء میں وادیٔ کشمیر میں پیدا ہوئے۔ اس خطۂ جنت نظیر کے سکھ راجہ نے اپنی مسلمان رعایا پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا چنانچہ مسلمانانِ کشمیر کے بیسیوں خانوادے اپنی جان و ایمان کی حفاظت کے لئے پنجاب آ گئے۔ ان ہی مہاجر خانوادوں میں ولی اللہ کا خاندان شامل تھا۔

حافظ ولی اللہ کا خاندان جب پنجاب آیا تو موصوف شیر خوار بچے تھے۔ ابتدا میں اُن کا خاندان پسرور ضلع سیالکوٹ میں رُکا۔ بعد میں لاہور منتقل ہو گیا۔ حافظ صاحب کی عمر پانچ سال کے لگ بھگ تھی کہ چیچک میں مبتلا ہو گئے۔ اس موذی بیماری میں اُن کی جان تو بچ گئی مگر نورِ بصارت سے محروم ہو گئے۔

حافظ صاحب نابینا ہو گئے مگر قدرت کو ابھی اُن کے مزید امتحانات مقصود تھے۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے والدین کے سایۂ شفقت سے محروم ہو گئے۔ اور وہ اپنے بھائیوں اور بھاوجوں کے رحم و کرم پر رہ گئے۔ اُن کے بھائیوں میں سے صدیق شیخ نے لاہور کی کشمیری برادری میں بڑا نام پیدا کیا۔ نواب علی رضا خان قزلباش کو اُن کی وجہ سے کشمیری برادری کے ووٹ ملے تھے۔

اُن دنوں لاہور میں مولانا غلام رسول قلعویؒ کا آنا جانا تھا۔ اُنہوں نے حافظ ولی اللہ کو کس مپرسی کی حالت میں دیکھا تو اُنہیں اپنے ساتھ لے لیا۔ حافظ صاحب موصوف نے اُن کی نگرانی میں قرآن مجید حفظ کیا اور اُن سے علوم مروجہ میں اکتسابِ فیض کیا۔ اُن کے ہم درسوں میں مولانا ابو سعید محمد حسین بٹالوی (م ۱۳۳۸ھ) کا نام معروف ہے۔

حافظ صاحب نے مولانا غلام رسول قلعوی کے علاوہ مولانا احمد الدین بگوی اور مولانا نور احمد ساکن کھائی کوٹلی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

حافظ ولی اللہ تکمیلِ تعلیم کے بعد لاہور آ گئے۔ مسجد وزیر خان میں درس دینے لگے۔ ڈپٹی برکت علی اُن کے قدر دانوں میں سے تھے۔ اُنھوں نے بادشاہی مسجد کے لئے اُن کی خدمات حاصل کر لیں[1]۔ ۳۰ر مئی ۱۸۷۳ء/۲ر جمادی الاخریٰ ۱۲۹۰ھ کو انجمن اسلامیہ نے حافظ صاحب کو مدرسہ شاہی مسجد کا صدر مدرس نامزد کیا اور زندگی کے آخری لمحات تک اس منصب کی ذمہ داریاں پوری کیں۔

حافظ صاحب مناظرانہ ذوق رکھتے تھے۔ عیسائی پادریوں نے لاہور کی فضا اپنے دل آزار لیکچروں اور پمفلٹوں سے خراب کر رکھی تھی۔ حافظ صاحب نے عیسائیت کا بطور خاص مطالعہ کیا اور عیسائی پادریوں سے مناظرے کرنے لگے۔ اُن کی شہرت ایک بلند پایہ مناظر کی حیثیت سے دُور دُور تک پھیل گئی۔ اُنھوں نے پادری فورمین اور پادری عماد الدین سے تحریری اور زبانی مباحثے کئے اور اُنھیں ہر موقع پر لاجواب کیا۔ کنہیا لال نے اُن کے تعارف میں لکھا ہے:

"یہ ایک شخص عالم متبحر لاہور کے علماء میں سے تھا............

.........مناظرے کے علم میں اُس کو یہ استعداد تھی کہ بڑے بڑے پادری عیسائی اُس کے رُوبرو بول نہیں سکتے تھے"[2]

تمام تذکرہ نگاروں نے حافظ ولی اللہ کے بے نظیر حافظہ کا ذکر کیا ہے۔ وہ مناظروں اور نجی گفتگو میں کتابوں کے حوالے صفحہ اور سطر کی قید کے ساتھ سُنا دیتے تھے۔

---

[1] مشاہیر کشمیر ص ۲۹

[2] تاریخ لاہور ص ۱۸۵

حافظ صاحب فقہ و حدیث پر گہری نظر رکھتے تھے۔ لاہور کے عوام ہی نہیں عدالت بھی مذہبی معاملات میں اُن سے فتویٰ لیتی تھی۔ جمعہ کے روز شاہی مسجد لاہور میں وعظ کہتے تھے۔ عوام میں ایک عمدہ واعظ کی حیثیت سے اُن کا نام لیا جاتا تھا۔

حافظ ولی اللہ کی خدماتِ دینیہ کے پیشِ نظر حلقۂ علماء میں اُن کی قدر و منزلت تھی۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی (م ۱۳۰۸ھ) اُن کی تبلیغی اور مناظرانہ مساعی کے معترف تھے۔ اُنھوں نے حافظ صاحب کو اپنی معرکہ آرا عربی کتاب "اظہار الحق" تحفتہً بھیجی تھی۔

حافظ ولی اللہ مصروف زندگی گزار رہے تھے ہو گئے ۴۲ر جمادی الاولیٰ ۱۲۹۶ھ/۲۲ر جولائی ۱۸۷۹ء کو مرضِ اسہال سے فوت ہو گئے۔ احاطہ شاہ ابوالمعالی میں دفن کئے گئے۔ قطعہ تاریخ وفات یہ ہے ؎

آہ، حافظ شیریں زباں وآں واعظ خوش ترجماں
شد بروز ادینہ رواں زیں دار پُر رنج و دغا
بود از جمادی اوّلیں تاریخ بست و چہار
پنہاں شد زیر زمیں آں صاحبِ فہم و ذکا
بشنو لیس، جاں دادہ بحق ولی حافظ ولی اللہ"

حافظ ولی اللہ مرحوم کی اولاد میں دو صاحبزادے عبدالعزیز اور اسحاق تھے۔ اوّل الذکر ۱۱ سال کی عمر میں فوت ہوا اور آخر الذکر کمسنی میں فوت ہو گیا تھا۔

حافظ ولی اللہ کی علمی یادگاروں میں حسب ذیل ملتی ہیں:

۱۔ صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیطان

پادری عماد الدین نے "تحقیق الایمان" کے نام سے ایک نہایت دل آزار کتاب لکھی تھی جو "صیانۃ الانسان" اُس کا جواب ہے۔ نگارِ سان وتاسی نے اپنے مقالات میں اس کا نام "صیانۃ الاسلام" لکھا ہے جو درست نہیں۔

صیانۃ الانسان ۱۸۷۲ء/۱۲۸۹ھ میں مطبع مصطفائی لاہور سے طبع ہوئی تھی۔ اب

طباعت "دافع شیطان صیانۃ الانسان" سے برآمد ہوتی ہے۔

۲۔ مباحثہ دینی

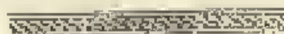
۱۲۸۴ھ/۶۸-۱۸۶۷ء میں پادری عماد الدین سے مباحثہ کیا۔ اس کی روداد ہے۔

۳۔ ابحاث ضروری

عیسائی رسالہ "شکوک کفارہ" (مطبوعہ منجانب پادری صاحبان مطبع مشن لدھیانہ ۱۸۷۲ء) کا جواب ہے۔ اس میں تقریباً عیسائیت کے تمام ضروری مباحث آ گئے ہیں۔ مطبع مصطفائی لاہور سے ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں شائع ہوا۔

۴۔ رجم الشیاطین

اول الذکر تینوں کتابوں پر حافظ ولی اللہ کے شاگرد مولانا فقیر محمد جہلمی کے گراں قدر حواشی ہیں۔



سید ہاشم شاہ ہمدانی

سید ہاشم بن سید محمد زاہد ہمدانی ۱۱۶۹ھ/۵۶-۱۷۵۵ء میں کوٹ مراد خان (قصور) میں پیدا ہوئے۔ فارغ التحصیل صاحبِ فتویٰ عالم تھے۔

۱۱۹۸ھ/۸۴-۱۷۸۳ء میں بعہد نواب بہاول خان عباسی ثانی (والئی بہاولپور) نقل مکانی کر کے خیر پور ٹامیوالی (ضلع بہاولپور) چلے گئے۔ خیر پور اور اس کے گرد و نواح میں اصلاح و تبلیغ کے لئے کوشاں رہے اور بستی پھوکن میں قیام رہا۔[1]

سید امان اللہ شاہ قادری نوشاہی سے بیعت تھے اور ان کی طرف سے خلیفہ نامزد ہوئے تھے۔ سید محمد گیلانی سے بھی تعلق ارادت تھا۔ اپنے ہم عصر جید عالم خواجہ خدا بخش خیر پوری سے دوستانہ مراسم تھے۔ خواجہ صاحب ان کے ہاں آتے اور فقر و تصوف پر گفتگو کرتے تھے۔[2]

۷۲ سال کی عمر میں ۲۷ محرم ۱۲۴۱ھ/۱۱ ستمبر ۱۸۲۵ء کو وفات پائی اور خیر پور ٹامیوالی میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ ان کی اولاد میں صرف ایک فرزند سید محمود (م ۱۲۵۵ھ) تھے۔

سلسلۂ طریقت میں ان کے جانشین حکیم بخت جمال خیر پوری اور سلطان محمود کورایہ (مدفون فاضلکا) تھے۔

سید ہاشم شاہ کی علمی یادگاروں میں سے مجموعہ فتاویٰ موجود ہے جو زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہوا۔

۱؎ ہم اور ہمارے اسلاف ص ۲۲۱

۲؎ ایضاً ص ۲۲۰

یار محمد بندیالوی

مولانا یار محمد بن میاں سلطان محمود بن میاں شاہ نواز ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴-۸۵ء میں ضلع سرگودھا کے معروف گاؤں بندیال میں پیدا ہوئے۔ لڑکپن میں تحصیل علم کے لئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ موضع پکا ضلع میانوالی میں قرآن مجید حفظ کیا۔ صرف و نحو کی تحصیل مولانا محمد امیر دامانی اور مولانا شاہ ارشد (ساکن بجاڑ ضلع جہلم) سے کی۔ آخر الذکر الفیہ ابن مالک پڑھانے میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔

اعلیٰ تعلیم مدرسہ نعمانیہ لاہور اور مدرسہ عالیہ مسجد فتحپوری دہلی میں پائی۔ دہلی کے زمانۂ قیام میں مدرسہ حکیم اجمل خان میں فن طب کی کتابیں پڑھیں۔ ایک روایت کے مطابق مولانا یار محمد بندیالوی نے مولانا ہدایت اللہ جونپوری شاگرد مولانا فضل حق خیرآبادی سے بھی استفادہ کیا تھا۔

فارغ التحصیل ہوئے تو الہ آباد، رامپور، بھوپال اور ٹونک کے مدارس دینیہ سے وابستہ رہے۔ آخر میں اپنے وطن مالوف آ گئے اور مدرسہ ضیاء العلوم مظہریہ کی بنیاد رکھی۔ ان کی صدارت تدریس اور اہتمام میں جامعہ نے کافی ترقی کی اور سینکڑوں طالبان شوق نے ان کے فضل و علم سے استفادہ کیا۔

۲۲ محرم ۱۳۶۷ھ/۶ دسمبر ۱۹۴۸ء کو وفات پائی۔ بندیال میں مدفون ہیں۔ بندیال سو دو بیٹے ہیں ان کے صاحبزادے مولانا محمد عبدالحق اور مولانا محمد فضل حق خیرآبادی (ثانی) ان کی علمی روایات قائم رکھے ہوئے ہیں۔

